نگاہِ مردِ مومن

سے

بدل جاتی ہیں تقدیریں

عبدالرحمٰن شوق

مکتبہ ادب نواز۔ کشمیری بازار لاہور

اشاعت اوّل .... ایکہزار ۱۰۰۰

۱۹۵۲ء

قیمت .... دو روپے آٹھ آنے

تاج سنز نے

پنجاب پریس لاہور سے چھپوا کر

مکتبہ ادب نوانہ کشمیری بازار لاہور سے شائع کی۔

فہرست مضامین

اِنتساب

اُن قابلِ تعظیم و لائقِ تحسین، مجاہدینِ اسلام کے نام
جنہوں نے بلا کسی غرض اور بغیر کسی اجر
کے
اسلام اور خوشنودیٔ خُدا اور پیغمبرِ اسلام علیہ السلام
کیلئے
اِس دُنیا میں کسی قسم کا بھی جہاد کیا

شوقؔ

مری نوا سے ہوئے زندہ عارف و عامی

دیا ہے مَیں نے انہیں ذوقِ آتش آشامی

عجب نہیں! کہ مُسلماں کو پھر عطا کر دے

شکوہِ سنجر و فقرِ جنید و بسطامیؒ

(اقبالؒ)

نگاہِ اویس

اِسلام کا زمانہ ماضی اسقدر درخشاں ہے۔ کہ آج تک کوئی قوم اسکا مقابلہ نہیں کرسکی اور نہ آئندہ کرسکتی ہے۔

مقدس مذہب اسلام کی یہ درخشانی خیر القرون کے مسلمانوں کے ہی طرزِ عمل سے وابستہ ہے۔ اور آج دنیا کے چالیس کروڑ مسلمان اسی روشنیٔ اسلام کے باعث مسلمان نظر آتے ہیں۔

مگر ان میں سے کتنے ایسے مسلمان ہیں جو خیر القرون کے مسلمانوں کا اصلی نمونہ پیش کرسکتے ہیں؟

بدقسمتی سے سمجھئے یا اپنی کوتاہی کے باعث میری نظر میں آجتک ایسا مسلمان نہیں گذرا جو حقیقت میں خیر القرون کے

صالح و صادق مسلمانوں کی صفِ اول سے کیوں
پیچھے ہٹنے لگے تھے"۔

اور دوسرا حصہ اس زعم پر مبنی ہے۔ کہ
"آج کے مسلمان زمانہ سلف سے پیچھے ہٹتے ہٹتے
جبکہ قعرِ مذلت کے قریب پہنچ چکے ہیں تو اب وہ کسطرح
خیر القرون کے مسلمانوں کی صفِ اول میں شامل ہو
سکتے ہیں؟"

میرے یہ ہر دو خیالات گو متضاد ہیں۔ لیکن اسکا جواب
ایک ہی ہے، جو آئندہ صفحات میں عرض کر دیا گیا ہے۔

یہ میں جانتا ہوں کہ مندرجہ بالا خیالات کو ظاہر کرنا
"چھوٹا منہ بڑی بات" کے مترادف ...... میری بہت بڑی
جرأت ہے کہ مجھ ایسا بے علم و عمل شخص ہزارہا جید علمائے کرام
و صوفیائے عظام کے سامنے اپنے ان فرسودہ خیالات
کا اظہار کر رہا ہے۔ لیکن اگر اپنے خیالات کا اظہار کوئی جرم نہیں

تو یقین کیا جا سکتا ہے کہ مجھے بھی اس جرم سے مستثنے!
سمجھتے ہوئے میری اس مجذوبیت کو اسی طرح درگذر فرمائیگا
جیسے کہ آجتک اہل نظر ہزار ہا مخرب الاخلاق صفحات
نظر انداز کر چکے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

ہوسکتا ہے۔ کہ میرے اس بیانِ صداقت کی بعض باتیں
عقلمندوں کے کام بھی آسکیں۔ کیونکہ اب بھی بیوقوفوں کی
بعض باتیں عقلمندوں کے کام آسکتی ہیں۔ اگر ایسا ہوا
تو میں اپنی زندگی میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھونگا
اور مرنے کے بعد مغفرت کا امیدوار۔

شوقؔ

نگاہِ مردِ مومن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ؕ

وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ؕ

اور ہم نے لوہا پیدا کیا جسمیں بڑی قوت اور لوگوں کیلئے فوائد ہیں (اور اسکا ایک مقصد یہ بھی ہے) کہ اللہ ان لوگوں کو جان لے جو (اس کے ذریعہ) اللہ کی اور اسکے پیغمبروں کی بن دیکھے مدد کرتے ہیں، اور بیشک اللہ قوی اور غالب ہے ۔

شرفِ انسانی و مذہب حقیقی

خدائے واحد کے اِن مقدس احکام کے مطابق خداشناس اور صاحب النس اِنسان دنیاوی جاہ و جلال، عزت و حشمت طاقت و دولت کو اپنے جرم اور مجرموں کی امداد کا ذریعہ نہیں بناتے۔

چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے دل میں جب اپنے دنیاوی جاہ و جلال شوکت و حشمت کا خیال آیا تو بے اختیار آپ کی زبان مبارک سے یہ کلمات ادا ہوئے جو قرآن مجید کی سورہ نمل میں ہیں۔

میرے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیرے احسان کا شکر کروں، جو تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر کیا، اور یہ کہ ایسے نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہوں اور مجھکو اپنی مہربانی سے اپنے نیک بندوں میں ملالے۔

اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے حکمت اور دنیاوی حکومت کی بخشش الٰہی کا بارگاہ الٰہی میں

شکریہ ادا کیا، جو قرآن مجید کے سورہ یوسف میں ہے

"پروردگار! تو نے مجھے حکمت عطا فرمائی۔ اور

باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا، اے آسمان

اور زمین کے بنانے والے۔ تو ہی میرا کارساز ہے

دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، ایسا کیجیئے کہ دنیا سے

جاؤں تو تیری فرمانبرداری کی حالت میں جاؤں

اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک

بندے ہیں"

ان ارشادات سے ثابت ہوا کہ شرف انسانی اور

دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب حقیقی وہی ہے جس سے

خدا کی شناخت اور خدا کا خوف انسان کے دل میں پیدا

ہو، اور اسے ان باتوں پہ یقین کامل ہو کہ دنیا کی تمام

طاقتوں اور نعمتوں کا مالک حقیقی صرف خدائے واحد ہے،

انسان دنیا کی ہر قسم کی قوت، نعمت، دولت کا صرف امین

ہے، جسے خدا کے حضور میں ایک روز ضرور پیش ہونا ہے

اور دُنیا کی بخشی ہوئی قوّتوں اور نعمتوں کے مصرف و استعمال کا جواب دینا ہے، اسی طرح حقیقی دین بھی وہی ہے جو اِن چیزوں کا جائزہ، صحیح محلِ استعمال اور مفید مصرف بتاتا ہے، لہٰذا وہ حقیقی مذہب اسلام ہے۔

حقیقت اسلام فرمودہ پیغمبر اسلام علیہ السلام

اسلام مذہب حقیقی ہونے کے علاوہ سادہ اور نہایت ہی آسان مذہب ہے، جو خدا اور اُس کے رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی، پاکیزگی قلب، باہمی محبت۔ امن صلح جوئی کی تلقین کرتا ہے، اور دنیا کی ہر اُس بات کی جو انسان کی مذہبی، اخلاقی، اقتصادی اور سیاسی مشکلات و مصائب کا باعث ہو تہدید کرتا ہے۔

جیسے کہ حضور پُر نور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ ارشادات ہیں۔

(۱) اِسلام پانچ ستونوں پر بنایا گیا ہے۔

(۱) اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں۔

(۲) نماز پڑھنا۔

(۳) زکوٰۃ دینا۔

(۴) اُس پاک ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی (کامل) ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اُس کے نزدیک اُس کے ماں باپ اور اولاد سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں ؎۱

(۵) اللہ تعالیٰ اس شخص کے لئے جو اس کی راہ میں (جہاد کرنے کو) نکلے اور اس کو اللہ نے (اللہ تعالیٰ کا ایمان رکھنے اور اسکے پیغمبروں کی تصدیق نے ہی جہاد کیلئے) نکالا ہو، اس امر کا ذمّہ دار ہو گیا ہے۔ کہ یا تو میں اُسے اس ثواب یا (مال) غنیمت کے ساتھ واپس کروں گا جو اُس نے جہاد میں پایا ہے۔ یا اُسے شہید بنا کر جنت میں داخل کروں گا۔ اگر میں اپنی اُمت پر دشوار نہ سمجھتا تو کبھی کسی سریہ کے پیچھے کبھی نہ بیٹھ رہتا۔ اور یقیناً میں اس بات کو دوست رکھتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں مارا جاؤں۔ پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر مارا جاؤں۔ پھر زندہ

؎۱ بخاری شریف کتاب الایمان۔ بروایت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کیا جاؤں، پھر مارا جاؤں [1]

ہادیٔ اسلام علیہ السلام کا اُسوۂ حسنہ | حضور پُر نور

ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے یہ ارشادات عالیہ محض اپنی اُمت کو زبانی تلقین پر ہی موقوف نہیں بلکہ آپ کا انپر جسقدر عمل تھا، وہ حضور صلعم کے مندرجہ ذیل اُسوہ حسنہ میں دیکھئے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوہ حسنہ کے مقابل دنیا بھر کے تمام قابل احترام ہادیانِ مذاہب پورے نہیں اُتر سکتے کیونکہ

گوتم بدھ کے پیرو ان کی تعلیم کا نمونہ اخلاق تو پیش کر سکتے ہیں، لیکن وہ مہاتما بدھ کی زندگی کا کوئی باثبوت واقعہ پیش نہیں کر سکتے۔

برخلاف اسکے حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کی نسبت کلام الٰہی میں خالق اکبر کی شہادت ہے۔

---

[1] بخاری شریف کتاب الایمان۔ بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم اخلاق کے بلند درجہ پر ہو"

غرضیکہ حضور پرُنور کا اخلاق ہمہ تن قرآن تھا [1]

اُمہات المومنین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ کے اوصاف اخلاق بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔

فرماتی ہیں۔کہ آنحضرت صلعم کی عادت کسی کو بُرا کہنے کی نہ تھی۔اور نہ برائی کے بدلے برائی کرتے تھے۔ بلکہ درگذر فرماتے اور معاف فرما دیتے [2]

آپ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اُس کو اختیار فرماتے تھے (بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو)

آپ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں

---

[1] ابو داؤد باب الصلوٰۃ فی الدین۔

[2] جامع ترمذی و شمائل ترمذی۔

لیا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا۔ خدا اُس سے انتقام لیتا تھا (یعنی بموجب حکم خدا اُس پر آپ حد جاری فرماتے)

آپؐ نے تمام عمر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی ۔ [1]
آپؐ نے کبھی کسی غلام کو۔ لونڈی کو۔ کسی عورت کو۔ خادم کو۔ جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔
آپ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی (بشرطیکہ وہ ناجائز نہ ہو) [2]
آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت ہی خندہ (ہنستے اور مسکراتے) ہوئے [3]
دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اسطرح فرماتے تھے۔ کہ کوئی اگر یاد رکھنا چاہے تو یاد رکھ سکے۔

---

[1] بہ تفصیل مسلم۔ ابوداؤد [2] حاکم صحیح مسلم [3] ابن ماجہ

حُسنِ خُلق و حُسنِ معاملہ

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کے عہدِ نبوت سے قبل جن لوگوں سے آپؐ کے تاجرانہ تعلقات تھے، انہوں نے بھی ہمیشہ آپؐ کے حسنِ معاملہ کا عملی اعتراف کیا ہے جس کے ثبوت میں تمام قریش نے آپ کو امین کا خطاب دیا۔ بلکہ عہدِ نبوت کے بعد بھی اگرچہ اہلِ قریش کے دل آپ کے متعلق بغض و کینہ سے لبریز تھے، تاہم ان کی دولت کے لئے جائے امن مقام آپ کا ہی کاشانہ تھا۔ کیونکہ یہ تمام مشرکین آپ کو یقیناً امین جانتے تھے [1]

ایک روز آپ کی خدمت میں ایک بدو حاضر ہوا، جس کا کچھ قرضہ آپ پر تھا۔ بدو اکھڑ تو ہوتے ہی ہیں، اُس نے نہایت سختی سے گفتگو شروع کی، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین بھی حاضر تھے۔ انہوں نے بدو کی اس گستاخی پر اُسے ڈانٹ کر کہا،

---

[1] ابوداؤد جلد ۲

"خبر بھی ہے تو کس سے ہم کلام ہے"؟

بدو نے جواب دیا "میں تو اپنا حق مانگ رہا ہوں"۔

حضور پر نور رحمتہ اللعالمین ؐ نے صحابہ ؓ سے فرمایا۔

تم لوگوں کو اس کا (یعنی بدو کا) ساتھ دینا چاہیئے تھا کیونکہ اسکا حق ہے۔ (یعنی قرضخواہ کو قرض لینے کا حق ہے۔

اتنا فرمانے کے بعد صحابہ کرام ؓ کو اس بدو کا قرض ادا کر دینے کا حکم فرمایا۔ بلکہ زیادہ دلوایا [۱]

ایک روز ایک شخص نے حاضر خدمت ہونے کی اجازت طلب کی۔ آپ ؐ نے فرمایا۔ اچھا آنے دو۔ مگر وہ اپنے قبیلہ کا اچھا آدمی نہیں"، لیکن جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس سے نہایت نرمی سے گفتگو فرمائی۔

اس پر ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ؓ نے آپ سے عرض کی "آپ ؐ تو اسکو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ پھر ایسی

---

[۱] ابن ماجہ

شفقت آمیز اس سے گفتگو فرمائی؟

آپؐ نے فرمایا

خدا کے نزدیک سب سے برا وہ شخص ہے جس کی بدزبانی

کی وجہ سے لوگ اس سے ملنا جلنا چھوڑ دیں۔[۱]

ایک روز ایک صاحب زرد رنگ کا لباس پہنکر خدمت

اقدس میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے اس سے تو کچھ نہ فرمایا

جب وہ صاحب اٹھ کر چلے گئے تو صحابہ کرامؓ سے فرمایا

اُن سے کہدینا کہ یہ رنگ دھو ڈالیں"[۲]

عدل وانصاف

ایک دفعہ کسی شخص سے ایک پیالہ

کچھ وقت کیلئے آپؐ نے مستعار

لیا، اتفاق سے وہ گم ہوگیا، تو اس پیالہ کے مالک کو اس کا

تاوان ادا فرمایا[۳]

زمانہ آغاز اسلام میں خاندان مخزوم کی ایک عورت چوری

---

[۱] صحیح البخاری۔ ابوداؤد۔ کتاب الادب [۲] ابوداؤد جلد ۲ کتاب الادب [۳] ترمذی شریف۔

کے جرم میں گرفتار ہوئی، قریش کی عزت و بزرگی کے لحاظ سے اکثر قریش چاہتے تھے کہ یہ عورت سزا سے بچ جائے، اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔

لوگوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ (جو حضور پر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محبوب خاص تھے) سے کہا کہ آپ آنحضرت صلعم کی خدمت میں اس عورت کی نسبت سفارش کیجئے۔ اسامہؓ نے جب حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس عورت کے لئے معافی کی درخواست کی تو آپ نے غضب آلود ہو کر فرمایا۔

بنی اسرائیل اسی بات کی بدولت تباہ ہوئے کہ وہ غربا پر حد جاری کرتے اور امراء سے درگذر کرتے تھے۔ ۱ؔ

اسی زمانہ اسلام میں۔ خیبر کی زمین مجاہدین اسلام میں تقسیم ہونے کے بعد ایک روز عبداللہ بن سہیل خیبر

۱ؔ صحیح بخاری کتاب الحدود

میں کھجوروں کی بٹائی کے لئے جارہے تھے کہ کسی نے انکو
قتل کرکے اِن کی نعش گڑھے میں ڈالدی، محیصہؓ (جو عبداللہ
مقتول کے چچیرے بھائی تھے) حضور پرنور ہادی اسلام
علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے روبرو یہ استغاثہ پیش کیا۔
حضور پُرنور نے محیصہؓ سے دریافت فرمایا۔
کیا تم قسم کھا کر کہہ سکتے ہو کہ یہودیوں نے عبداللہ
کو قتل کیا ہے ؟
محیصہؓ بولے "میں نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا"
حضور پُرنورؐ نے فرمایا "تو یہود سے قسم لی جائے گی"۔
محیصہؓ نے عرض کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہود
کی قسم کا کیا اعتبار۔ حالانکہ خیبر میں یہود کے سوا اور
کوئی قوم آباد نہ تھی، ظاہر تھا کہ یہودیوں نے ہی عبداللہ
بن سہیل کو قتل کیا ہے، لیکن چشم دید شہادت چونکہ موجود
نہ تھی، اس لئے حضور پرنور صلعم نے یہود سے کسی
قسم کا تعرض نہ فرمایا۔ بلکہ خوں بہا کے نشلو اونٹ بیت المال

سے محیصّہ کو دلوائے ۱؎

اسی طرح ایک صحابی سرقؓ نام نے بدوی سے ایک اونٹ خریدا۔ مگر قیمت ادا نہ کر سکے، بدوی ان کو لیکر حضور پُرنور صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور تمام واقعہ بیان کیا۔
حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سرقؓ سے فرمایا کہ قیمت ادا کر دو۔

سرقؓ نے ناداری کا عذر کیا، تو حضور پُرنور صلعم نے بدوی سے فرمایا۔ بازار میں لیجا کر اِن کو فروخت کر دو۔
چنانچہ بدو ان کو بازار میں لے گیا۔ ایک صحابیؓ نے انکو بدو سے دام دیکر خریدا۔ اور پھر سرقؓ کو آزاد کر دیا ۲؎

جود و سخا

ایک دفعہ ایک شخص حضور پُرنور کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ تو دیکھا دور تک آپ کی بکریوں کا ریوڑ پھیلا ہوا ہے، اس نے حضورؐ سے

۱؎ بخاری ونسائی باب القسامتہ ۲؎ دارقطنی جلد ۲ صفحہ ۳۷/۳۸

سوال کیا۔ تو حضورِ پُرنور صاحب صدق جود و سخا صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی سب بکریاں اسکو دیدیں۔

اس شخص نے اپنے قبیلہ میں جا کر کہا کہ اسلام قبول کر لو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایسے فیاض ہیں کہ مُفلس ہوجانیکی پرواہ نہیں کرتے ؎۱

ایسی سخاوت کے باوجود آپؐ کا قول ہے ———

"مَیں تو صرف بانٹنے والا اور خازن ہوں، دینا تو اللہ تعالےٰ کا ہے"۔

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا جود و سخا ایسا ہی تھا۔ کہ جو شخص آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتا۔ اگر آپ کے پاس کچھ موجود نہ ہوتا تو اسکو کچھ نہ کچھ ضرور عطا فرماتے۔ چنانچہ حضورِ پُرنورؐ کے اس معمول کی بناء پر سائل اسقدر دلیر ہو گئے تھے۔

کہ ایک دفعہ عین نماز کے وقت ایک بدو آیا۔ اور آپؐ کا

؎۱ صحیح بخاری باب حسن الخلق والسخا۔

دامن مبارک پکڑ کر کہنے لگا۔ "میری ایک معمولی سی حاجت باقی رہ گئی ہے۔ وہ کہیں میں بھول نہ جاؤں، اس لئے اسکو ابھی پورا کر دیجئے"۔

رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اسی وقت اس بدو کے ہمراہ تشریف لے گئے، اور اس کی حاجت برآری کرنے کے بعد آپؐ نے نماز ادا کی ۔ ؎۱

غرضیکہ جو چیز حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتی۔ جب تک وہ تقسیم نہ ہو جاتی آپ کو بیقراری سی رہتی تھی جیسے کہ ایک دفعہ گھر میں تشریف لائے۔ تو ام المومنین ام سلمہؓ نے دیکھا کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر تھا۔ عرض کیا "یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) خیر تو ہے" فرمایا۔ کل جو سات دینار آئے تھے۔ شام ہو گئی۔ اور وہ بستر پہ پڑے رہ گئے۔ ؎۲

؎۱ ادب المفرد امام بخاری ؎۲ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۲۹۳

ایثار | ایک دفعہ ایک عورت نے حضورِ پُرنور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت اقدس میں بطور تحفہ ایک چادر پیش کی، آپؐ کو ضرورت تھی۔ آپؐ نے منظور کر لی۔ ایک صحابیؓ بھی اسوقت حاضر تھے۔ انہوں نے کہا۔

"اُہا کیا اچھی چادر ہے"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے جسم اطہر سے چادر اتار کر ان کو دیدی۔

جب آپ اٹھکر گھر میں تشریف لے گئے تو دیگر صحابہ کرامؓ نے اِس صحابی کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔

حالانکہ تم جانتے تھے کہ حضورِ پُرنورؐ کو چادر کی ضرورت تھی، اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم کسی کا سوال رد نہیں فرماتے۔ پھر تم نے سوال کیوں کیا؟

صحابی نے جواب دیا بیشک درست ہے، لیکن میں نے برکت کے لحاظ سے طلب کی تھی۔ تاکہ اس چادر کا مجھے کفن

نصیب ہو۔[1]

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نورِ نظر حضرت فاطمۃ الزہرا رضؓ نہایت عزیز تھیں اور ان کی خوشنودی کا بھی آپؐ کو خاص خیال تھا۔

ایک روز جبکہ انہوں نے گھر کی مشقت میں چکی پیستے پیستے اپنی ہتھیلیاں گھس جانے اور خود ہی پانی بھرنے کے باعث مشک کے اثر سے سینہ پر نیل پڑ جانے کا ذکر کر کے اپنے شوہر جناب امیر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی معرفت حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کنیز (جو کسی غزوہ میں سے آئی تھیں) ملجانے کی درخواست کی۔ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

ابھی اصحاب صفہ (رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین) کا انتظام نہیں ہوا، جب تک ان کا بندوبست نہ ہو لے میں اور طرف توجہ نہیں کر سکتا۔[2]

---

[1] صحیح بخاری۔ باب حسن الخلق [2] سنن ابوداؤد وغیرہ

ایک دفعہ حضرت علیؓ کو بھی کسی امر کی درخواست کے جواب میں یہی فرمایا۔

میں تم کو دوں اور اہلِ صفہؓ کو اسی حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے بیٹھے رہیں ؟[۱]

ایک دفعہ ایک غفاری آپ کا مہمان ہوا، رات کو کھانے کیلئے صرف بکری کا دودھ تھا۔ وہ آپؐ نے اس مہمان کے نذر کردیا اور تمام رات کاشانہ نبویؐ میں فاقہ سے گذری۔ حالانکہ اس سے پہلی شب بھی خانہ نبویؐ میں فاقہ ہی تھا۔[۲]

راست گفتاری

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد نبوت سے قبل بھی تمام اہل قریش جسطرح آپؐ کو امین سمجھتے تھے، اسی طرح صادق بھی تسلیم کرتے تھے، بلکہ دعویٰ نبوت کے بعد ہی جب قیصر روم کے دربار میں ابوسفیان سے پوچھا گیا کہ

"تمہارے ہاں جو نبوت کا دعویدار پیدا ہوا ہے، اس دعویٰ سے

۱؎ مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۷۹ ۲؎ مسند احمد جلد ۶ صفحہ ۳۹۷

پہلے تم نے اُسے کبھی دروغ گو پایا تھا؟"

ابوسفیان نے جواب دیا۔"نہیں اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔"

نیز نشان نبوت حاصل ہوتے ہی بموجب حکم الہٰی جب آپؐ نے اپنے اہل خاندان کو دعوت اسلام دینے سے قبل ...... تمام اہلِ قریشؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا۔

اگر میں تم سے یہ کہوں کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئیگا؟"

اسپر سب نے کہا تھا"ہاں"۔ کیونکہ ہم نے آپؐ کو کبھی جھوٹ بولتے نہیں دیکھا۔ ۱؎

۱؎ صحیح بخاری تفسیر سورہ تبت

ایفائے عہد

عہد نبوت سے پہلے کا ہی یہ مشہور واقعہ ہے کہ عبداللہ بن ابی الحماء نے آپ سے کچھ معاملہ کیا تھا اور آپؐ کو ایک جگہ بٹھا کر وہ یہ کہکر چلے گئے کہ میں آکر حساب صاف کر دیتا ہوں۔

اِتفاق سے عبداللہ بن ابی الحماء واپس آنا ہی بھول گئے۔ مگر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تین روز ایفائے عہد کے خیال سے اسی جگہ بیٹھے رہے۔

تین دن کے بعد عبداللہ اسی جگہ سے گذرے۔ تو حضور پرنورؐ نے انکو دیکھکر کسی قسم کی ناراضگی اور خفگی کے بغیر صرف اتنا فرمایا۔

"میں تین دن سے یہاں تمہارے انتظار میں بیٹھا ہوں" ؂

آغاز اسلام کے دنوں میں جب صلح حدیبیہ میں اہل مکہ سے ایک شرط یہ طے پائی۔ کہ مکہ میں سے جو شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائیگا۔ اس شخص کو اہل مکہ کے مطالبہ پر بلا کسی شرط کے واپس

؂ ابوداؤد۔ کتاب الادب

کر دینا پڑے گا۔

عین اسی وقت جبکہ معاہدہ میں یہ شرط زیر تحریر تھی۔ ابو جندل پا بزنجیر اہل مکہ کی قید سے بھاگ کر حضور پُرنور کی خدمت میں حاضر ہو کر فریادی ہوا۔ عام مسلمان اس درد انگیز منظر کو دیکھ کر تڑپ اٹھے لیکن حضور پُرنور امین و صادق صلعم نے ابو جندل کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔

ابو جندل صبر کرو، ہم بد عہدی نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے لئے کوئی راستہ نکالے گا۔ ؎۱

تواضع، مہمان نوازی و کسر نفسی

غریب سے غریب بیمار ہوتا تو آپ اُس کی عیادت کو تشریف لے جاتے، مفلسوں اور فقیروں کے پاس جا کر اُن کے ساتھ بیٹھتے، اگر اپنے صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین) کے ساتھ تشریف فرما ہوتے تو اسطرح کہ امتیازی حیثیت کی بنا پر آپ کو کوئی پہچان نہ سکتا۔

؎۱ صحیح بخاری۔ کتاب الشروط۔

کسی مجمع میں جاتے تو جہاں جگہ مل جاتی بیٹھ جاتے تھے[1] گھر کا کام خود کرتے۔ کپڑوں میں پیوند خود لگاتے، گھر میں جھاڑو خود دیتے۔ بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود ہی گانٹھ لیتے۔ غلاموں اور مسکینوں کے ساتھ مل کر کھانا کھا لیتے تھے[2]

عوذ بن عفرا کی صاحبزادی ربیع نامی کی جب شادی ہوئی تو آپؐ ان کے گھر تشریف لے گئے۔ گھر کی لڑکیاں آپؐ کے ارد گرد جمع ہو گئیں، اور دف بجا بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ گانے لگیں، گانے میں ایک مصرعہ یہ بھی تھا۔

"ہم میں ایک ایسا پیغمبر ہے جو کل کی باتیں
جانتا ہے"

اس کو سنکر حضورؐ نے فرمایا۔ یہ چھوڑ دو۔ وہی کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں[3]

---

[1] شمائل ترمذی [2] شمائل ترمذی۔ [3] صحیح مسلم باب فی الاشتغال۔

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ ایک روز آپ گھر سے باہر تشریف لائے۔ صحابہ کرامؓ تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے۔ فرمایا۔

اہلِ عجم کی طرح تعظیم کے لئے نہ اٹھو"۔ ؎۱

ایک روز آپ مسجد نبویؐ میں تشریف لائے۔ ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ آپؐ نے محجن ثقفیؓ سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟

محجنؓ نے اسکا نام بتانے کے ساتھ ہی اس شخص کی بہت تعریف کی۔

اسپر ارشاد فرمایا۔

"دیکھو اگر یہ سن لے تو تباہ ہو جائیگا۔ یعنی اس میں غرور پیدا ہوگا۔ جو ہلاکت کا باعث ہے"۔ ؎۲

اسی طرح ایک روز دربار رسالتؐ میں کسی شخص کا ذکر ہو رہا تھا۔ ایک صحابی نے شخص مذکورہ کی بہت تعریف

؎۱ ابو داؤد ابن ماجہ ؎۲ صحیح مسلم۔ باب فی الشفاح

کی جس کو سنکر حضور پُرنور صلعم نے فرمایا۔

"تم نے اپنے دوست کی گردن کاٹی"۔ حتیٰ کہ تین بار یہی فقرہ دہرایا۔ پھر فرمایا، کسی کی خوانخواہ اگر تعریف کرنا بھی ہو۔ تو یوں کیا کرو۔ کہ میرا ایسا خیال ہے [1]۔

غربا سے محبّت آمیز برتاؤ

مشہور حدیث شریف ہے کہ حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات اکثر دعا میں فرمایا کرتے۔

"خداوندا مجھے مسکین زندہ رکھ مسکین اٹھا اور مسکینوں کے ساتھ میرا حشر کر۔"

ایک روز ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپؐ سے دریافت فرمایا۔ آپؐ یہ دُعا کیوں فرماتے ہیں؟

فرمایا۔ اسلئے کہ مسکین دولتمندوں سے پہلے جنت میں جائیں گے۔" پھر فرمایا۔ اے عائشہؓ مسکین کو اپنے

[1] ادب المفرد صفحہ ۶۹۔

دروازے سے نامراد نہ پھیرو۔ خواہ چھوہارے کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔ اے عائشہ رضا غریبوں سے محبت رکھو اور ان کو اپنے قریب کرو۔ خدا بھی تم کو اپنے نزدیک کریگا۔[۱]

عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں۔ "ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں بیٹھا تھا۔ غریب الحال مہاجر حلقہ باندھے ایک طرف بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور انہی غریب الحال مہاجروں میں ملکر بیٹھ گئے۔"
یہ دیکھکر میں بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کر انہیں جا بیٹھا۔ اور آپ نے فرمایا۔

"فقرائے مہاجرین کو بشارت ہو کہ وہ دولت مندوں سے چالیس برس پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔"

عبداللہ بن عمر رضا کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور پُرنورؐ کے اس ارشاد سے ان غریب الحال مہاجرین کے چہرے

---

(۱) مشکوٰۃ شریف۔ باب فضل الفقراء

خوشی سے چمک اٹھے۔ اور مجھے حسرت ہوئی کہ کاش میں بھی انہیں میں سے ہوتا۔ ؎۱

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اپنی تعلی مزاج کے مطابق اپنے آپ کو غریبوں سے بالاتر سمجھتے تھے۔

ایک روز آپؐ نے ان کی طرف خطاب کر کے فرمایا

تم کو جو نصرت اور روزی میسر ہے۔ وہ انہیں غریبوں کی بدولت ہے۔ ؎۲

عفو و حلم

قریش نے آپؐ کو گالیاں دیں جان سے مارنے کی دھمکیاں دیں، راستہ میں کانٹے بچھائے، جسم اطہر پر نجاستیں پھینکیں گلے میں پھندا ڈال کر کھینچا، آپؐ کی شان میں گستاخیاں کیں، بدزبانیاں کیں۔ لیکن آپؐ نے ان کی ان سختیوں پر کبھی برہمی ظاہر نہیں فرمائی۔

چنانچہ ایک دفعہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجاز

؎۱ دارمی ؎۲ مشکوٰۃ شریف باب فضل الفقرا

کے بازار میں تبلیغ اسلام کرتے ہوئے فرمارہے تھے
لوگو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو تو نجات پاؤ گے
آپؐ کے پیچھے پیچھے ابوجہل بھی تھا، وہ آپؐ پر خاک اڑا اڑا کر کہہ رہا تھا۔
"لوگو اس شخص کی باتیں تم کو اپنے مذہب سے برگشتہ کر دیں گی۔ یہ چاہتا ہے کہ تم اپنے دیوتاؤں لات و عزیٰ کو چھوڑ دو۔"
غریب سے غریب آدمی بھی جب کسی مجمع میں جھٹلایا جاتا ہے، تو وہ غصہ سے کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن حضور پرنور رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل کی طرف مڑ کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ [1]

زید بن سعنہ ابھی مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے، اُنہوں نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا تھا۔ میعاد

---

[1] مسند احمد جلد ۳ صفحہ ۶۳

ادائیگی میں ابھی کچھ دن باقی تھے۔ کہ زید نے حضرت عمرؓ فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی موجودگی میں حضورِ پُرنور صلعم سے اپنے قرض کا تقاضا کرتے ہوئے آپؐ کی چادرِ مبارک پکڑ کر کھینچی اور سخت و سست الفاظ بکنے کے بعد یہ بھی کہا۔

عبدالمطلب کے خاندان والو۔ تم ہمیشہ یوں ہی حیلے حوالے کیا کرتے ہو۔

حضرت عمر فاروق رضہ نے حضورِ پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی یہ بے ادبی اور زید کی اس گستاخی کو دیکھکر غصّہ سے بیتاب ہو کر کہا۔

او دشمن خدا! تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں یہ گستاخی کرتا ہے۔

مگر رحمت اللعالمین حضورِ پُرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے عمر فاروق رضہ سے مخاطب ہو کر فرمایا

عمر (رضہ) مجھکو تم سے کچھ اور ہی امید تھی۔ تمہیں اسکو

(یعنی زید کو) یہ سمجھانا چاہیئے تھا کہ نرمی سے تقاضا کرے
اور مجھ سے یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں اسکا قرضہ ادا کردوں
اتنا فرما کر حضرت عمر فاروق رضؓ سے ارشاد فرمایا۔
جاؤ اسکا قرض ادا کرکے بیس صاع کھجور کے اور
زیادہ دیدو۔ ؎

ایک دفعہ ایک بدوؔ۔ خدمت اقدس میں آیا۔ آپؐ مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ بدو کو پیشاب کی حاجت ہوئی۔ آداب مسجد سے ناواقف تھا، وہیں مسجد میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے لگا۔

صحابہ کرام (رضوان اللہ تعالے اجمعین) ہر طرف سے اسپر ٹوٹ پڑے، مگر رحمت اللعالمین حضور پر نور صلعم نے ارشاد فرمایا۔

جانے دو۔ پانی کا ایک ڈول بھر کر بہادو۔ خدا نے
تم لوگوں کو دشواری کے لئے نہیں، بلکہ آسانی کیلئے

؎ بروایت بیہقی ابن حبان

بھیجا ہے ۱

دشمنوں سے برتاؤ

ھندہ ۔ ابوسفیان کی بیوی ۔ اسلام اور مجاہدین اسلام کی اسقدر دشمن تھیں کہ جس نے حضرت امیر حمزہؓ (حضور پرنور صلعم کے چچا) کا سینہ چاک کر کے ان کے دل و جگر کے ٹکڑے دانتوں سے کاٹے، لیکن فتح مکہ کے دن بیعت اسلام کے لئے جب اس لئے نقاب ڈال کر آئیں ۔ تا کہ حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات پہچان نہ سکیں ۔ لیکن آپؐ نے انکو پہچان لینے کے باوجود اسوقت بھی اس کی گستاخی پر ہندہ سے کچھ نہ کہا ۔

چنانچہ ہندہ نے رحمت اللعالمین حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس رحیمانہ برتاؤ سے متاثر ہو کر بے اختیار ہو کر کہا ۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نگاہ میں آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہ تھا ۔ اور اب آپ سے زیادہ مجھے کوئی

---

۱ ۔ صحیح بخاری ص ۳۵

محبوب نہیں ۱؎

حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے محترم چچا
حضرت امیر حمزہ رضؓ کو وحشی نے شہید کیا تھا۔
وحشی مکّہ میں رہتا تھا۔ فتح مکّہ کے بعد وہ طائف بھاگ گیا
اہل طائف نے بھی جب اسلام قبول کر لیا تو وحشی نے وہاں
سے بھی بھاگنا چاہا۔ لیکن بھاگتے وقت یہ خیال آیا۔ کہ رحمت
عالم حضور پُر نور صلعم سفرا کے ساتھ کبھی سختی نہیں فرماتے
اس خیال سے حاضر ہو کر اسلام قبول کیا۔
مگر آنحضرت صلعم نے صرف اتنا فرمایا۔ کہ میرے سامنے
نہ آیا کرو۔ تمہیں دیکھکر مجھے اپنے چچا کی یاد آتی ہے ۲؎
عکرمہ ابوجہل دشمن اسلام کے فرزند تھے۔ اس لئے
اسلام لانے سے قبل اپنے باپ کی طرح وہ بھی حضور
پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے۔
فتح مکہ کے وقت یمن میں بھاگ گئے۔ مگر ان کی بیوی

۱؎ صحیح بخاری ذکر ہندہ ۲؎ صحیح بخاری قتل حمزہ رضؓ

جو مسلمان ہو چکی تھیں، انہوں نے یمن میں پہنچکر ان کو تسلی دی اور مسلمان کر کے حضور پُر نور صلعم کی خدمت میں لے آئیں۔

حضور پر نور صلعم عکرمہ کو دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے اِن کی طرف بڑھے۔ کہ جسم مبارک پر چادر نہ تھی، اور زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے

اے ہجرت کرنیوالے سوار تمہارا آنا مبارک ہو۔ ط

مساوات جنگ بدر میں آپؐ کے عم محترم حضرت عباسؓ بھی گرفتار ہوئے تھے۔ قیدیوں کو زرِ فدیہ لیکر رہا کیا جاتا تھا۔ لیکن نیک دل انصار نے حضور پُر نور صلعم سے استدعا کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ ہمیں اجازت دیں کہ ہم آپؐ کے محترم چچا کا زرِ فدیہ معاف کر دیں آپؐ نے فرمایا۔

ط؎ موطا امام مالکؒ

نہیں ایک درہم بھی معاف نہ کر دے۱

ہجرت کے بعد مدینہ شریف میں سب سے پہلا کام مسجد نبوی کی تعمیر تھی جسمیں حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام بنفس نفیس شریک تھے۔ اپنے دستِ مبارک سے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ صحابہ عرض کرتے۔

"آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں"۔ لیکن آپ اپنے فرض سے باز نہ آتے تھے ۲

اسی طرح جنگ احزاب میں بھی جب مدینہ کے چاروں طرف صحابہ کرام خندق کھود رہے تھے۔ تو آپ بھی ایک مزدور کی طرح کام کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ حضور پرنور کے شکم مبارک پر مٹی اور خاک کی تہ جم گئی تھی ۳

زہد و قناعت حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اگرچہ رہبانیت کے خلاف تھے۔ جیسے کہ آپ کا ارشاد ہے

---

۱ صحیح بخاری باب ذوالمشرکین ۲ صحیح بخاری باب الہجرۃ ۳ صحیح بخاری باب غزوہ احزاب

میں یہودیت یا نصرانیت نہیں لیکر آیا۔ بلکہ آسان اور سہل براہیمی

مذہب لیکر آیا ہوں (مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶)

تاہم ہر دنیوی تکلفات سے آپؐ بیزار تھے، چنانچہ اکثر فرمایا

کرتے فرزند آدم کو ان چند چیزوں کے سوا اور کسی چیز کا

حق نہیں ہے۔

۱۔ رہنے کے لیے گھر ۲۔ ستر پوشی کیلئے ایک کپڑا

۳۔ شکم سیری کیلئے روکھی سوکھی روٹی۔ اور پانی ط۱

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں۔

کبھی آپؐ کا (یعنی حضور صلعم کا) کپڑا تہہ کر کے نہیں

رکھا گیا۔ یعنی صرف ایک جوڑا کپڑا ہوتا تھا، دوسرا نہیں!

جو تہہ کر کے رکھا جا سکتا۔ وَلَا یُطْوٰی لَہٗ ثَوْبٌ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ہی فرماتی ہیں۔ کہ

تمام عمر یعنی مدینہ کے قیام سے وفات تک آپؐ نے کبھی

دو وقت سیر ہو کر روٹی نہیں کھائی ط۲

ط۱ جامع الترمذی۔ باب الزہد ط۲ صحیح بخاری۔ شمائل

ایک دفعہ ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ کہ سخت بھوکا ہوں۔

آپؐ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کے ہاں کہلا بھیجا۔ کہ کچھ کھانے کو بھیجدو۔ جواب آیا۔ کہ گھر میں پانی کے سوا کچھ نہیں۔

آپؐ نے اپنے دوسرے گھر میں کہلا بھیجا۔ وہاں سے بھی یہی جواب آیا مختصر کہ آٹھ نو گھروں میں سے کسی میں پانی کے سوا کھانے کی کوئی اور چیز نہ تھی [۱]۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گھر کی دیوار مرمت کرا رہے تھے۔ اتفاقاً آپؐ اسطرف سے آنکلے عبداللہ سے پوچھا۔ "کیا شغل ہے"۔؟

عبداللہ رضؓ نے عرض کیا۔ "دیوار کی مرمت کر رہا ہوں"۔

اسپر فرمایا۔ کہ اتنی مہلت کہاں (یعنی دنیا فانی اور عمر چندروزہ ہے) [۲]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۹۸ [۲] ابن ماجہ کتاب اللباس۔

غرضیکہ باوجود شاہ ہر دوسرا اور محبوب خدا تھے لیکن زہد و قناعت کا یہ حال تھا کہ نہ خود دنیاوی تکلفات پسند کرتے تھے اور نہ اپنے دوستوں میں تکلفات دنیوی دیکھنا پسند فرماتے تھے۔

گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا۔ اور رات کو اکثر آپؐ اور سارا گھر بھوکا سوتا تھا۔

عزم و استقلال

غزوہ ذات الرقاع یا کسی اور غزوہ میں حضور انور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے کہ ایک مشرک آپؐ کو تنہا پا کر تلوار کھینچ کر بولا۔

"محمد (صلعم) اب تجھکو مجھ سے کون بچا سکتا ہے"۔

آپؐ نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔ "خدا"

حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عزم واستقلال نے مشرک کو اسقدر مرعوب کر دیا۔ کہ فوراً اپنی تلوار میان میں

ڈال کر آپ کے پاس بیٹھ گیا [1]

ہجرت سے قبل مکہ میں نو مسلم صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے کفار کی ایذا رسانیوں سے تنگ آ کر حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہمارے لئے کیوں دعا نہیں فرماتے؟

یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ مبارک غصہ سے تمتما اٹھا اور فرمایا۔

تم سے جو لوگ پہلے گذرے ہیں ان کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا جاتا۔ ان کے بدن پر لوہے کی کنگھیاں چلائی جاتی تھیں جس سے گوشت پوست سب علیحدہ ہو جاتا تھا۔ لیکن یہ سب آزمائشیں بھی ان کو مذہب سے برگشتہ نہیں کر سکتی تھیں، خدا کی قسم دین اسلام اپنے مرتبہ کمال کو پہنچ کر رہے گا۔ یہاں تک کہ صنعا سے حضرموت تک ایک سوار اس طرح بے خوف چلا

---

[1] بخاری شریف صفحہ ۶۹۳

آئیگا کہ اسکو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ رہے گا ؎

غزوہ حنین میں جب قبیلہ ہوازن کے قدر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ کی۔ تو اکثر صحابہؓ کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نہایت سکون و طمانیت سے چند جاں نثاران اسلام کے ساتھ میدان میں جمے رہے اسوقت زبان مبارک پر یہ رجز جاری تھا۔

میں پیغمبر ہوں میں فرزند عبدالمطلب ہوں ؎۲

؎ صحیح بخاری جلد اول باب بالغی النبی ؎۲ ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۴

امارت پسندی و دنیوی تکلفات سے اجتناب

حضور پرنور ہادیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے۔
گھر میں ایک بستر اپنے لئے ایک بیوی کیلئے اور ایک مہمان کے لئے کافی ہے، چوتھا شیطان کا حصّہ ہے"۔
ایک دفعہ اپنے صحابہ کرام رضؓ سے فرمایا۔ کہ
دنیا میں انسان کے لئے اتنا ہی کافی ہے، جتنا ایک مسافر کو زادِ راہ ؎۱

ایک دفعہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ میں تشریف لے گئے، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ گھر پر ہی رہ گئی تھیں، جب آپؐ واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر میں چھت گیری لگی ہے، اسی وقت پھاڑ ڈالی۔ اور حضرت عائشہ سے فرمایا۔
خدا نے دولت اس لئے نہیں دی کہ اینٹ و پتھر

؎۱ ابن ماجہ کتاب الزہد۔

کو کپڑے پہنائے جائیں [1]

ایک انصاری نے اپنا مکان بنوایا جس کا گنبد بہت اونچا تھا۔ آپؐ نے دیکھکر پوچھا کس نے بنوایا ہے"۔ لوگوں نے بتلایا کہ فلاں انصاری نے۔ آپؐ سن کر چپ ہو گئے جب وہ مالک مکان حسب معمول خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور سلام کیا تو حضور پرنورؐ نے اپنا رُخ مبارک پھیر لیا، انہوں نے پھر سلام کیا، آپؐ نے پھر روئے مبارک پھیر لیا۔ وہ سمجھ گئے کہ ناراضگی کی کیا وجہ ہے۔ واپس جاکر گنبد کو زمین کے برابر کر دیا۔ کسی روز پھر جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم اسطرف نکلے تو وہ گنبد نظر نہ آیا معلوم ہوا۔ کہ مالک مکان نے اسکو گرا دیا ہے۔ اسپر ارشاد فرمایا۔

ضروری عمارت کے سوا ہر عمارت انسان کیلئے

وبال جان ہے [2]

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۱۹ [2] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۳۲۴

ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گلے میں سونے کا ہار دیکھکر فرمایا۔

میسن "بیٹی! کیا تم کو یہ ناگوار نہ ہوگا جب لوگ کہیں گے کہ پیغمبر کی لڑکی کے گلے میں آگ کا ہار ہے" ط۱

اسی طرح ایک دفعہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن دیکھتے ہی فرمایا۔

مسیا اگر ان کو اتار کر درس کے کنگن زعفران سے رنگ کر پہن لو تو بہتر ہوتا ط۳

سنہ ۹ ہجری میں جبکہ یمن سے شام تک اسلام کی حکومت تھی تو فرمانروائے اسلام شہنشاہ ہر دوسرا صلعم کے گھر میں صرف ایک کھری چارپائی اور چمڑے کا سوکھا ہوا مشکیزہ تھا ط۳

ایک دفعہ بوریئے پر آپؐ آرام فرما رہے تھے، اٹھے تو صحاؓ

ط۱ نسائی جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ ط۲ نسائی جلد ۳
ط۳ صحیح بخاری کتاب اللباس ۔

کرام رضی اللہ تعالےٰ اجمعین نے دیکھا کہ پہلوئے مبارک
پر نشان پڑ گئے ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔
یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم لوگ آپؐ کے لئے کوئی
گدا بنوا دیں؟
فرمایا۔
مجھکو دنیا سے کیا غرض۔ مجھکو تو دنیا سے اسقدر
تعلق ہے۔ جسقدر ایک سوار کو تھوڑی دیر
کے لئے راہ میں کسی درخت کے سایہ میں بیٹھ
جاتا ہے۔ پھر اسکو چھوڑکر آگے بڑھ جانا ہے۱
ابو عبیدہؓ بن جراح جب بحرین والوں سے صلح کر کے اُنسے
جزیہ کا زر و مال لائے۔ تو انصار یہ سنکر صبح کی نماز سے
فارغ ہوکر حضور پر نور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات
کے سامنے حاضر ہوئے۔
ان کو دیکھکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مسکراتے ہوئے

۱ جامع الترمذی کتاب الزہد۔

فرمایا۔

میں سمجھتا ہوں کہ تم نے سنا ہے کہ ابو عبیدہؓ کچھ مال
لائے ہیں؟

انہوں نے عرض کیا "ہاں یا رسول اللہ" (صلی اللہ علیہ وسلم)

فرمایا۔

تم خوش ہو۔ اور اس بات کی امید رکھو۔ جو تم کو خوش
کر دے۔ کیونکہ خدا کی قسم میں تمہاری ناداری سے
اتنا خوف نہیں کرتا۔ بلکہ اس بات کا اندیشہ رکھتا
ہوں کہ تمہارے لئے دنیا کشادہ کر دی جائے
جس طرح اگلوں کے لئے کشادہ کر دی گئی تھی اور
پھر تم اس میں جھگڑا کرو جس طرح اگلوں نے
کیا تھا۔ اور وہ تم کو بھی ہلاک کر دے جس طرح
اُن کو ہلاک کیا تھا ۱؎

ایک روز صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین سے

۱؎ صحیح بخاری

فرمایا۔

"تم میں سے ایسا کون ہے۔ جسے اپنے وارث کے مال سے اپنا مال پسند ہے"۔

سب نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ہم سب کو اپنا ہی مال پسند ہے"۔

فرمایا۔

"اپنا مال وہ ہے جو زندگی میں جمع کر کے آگے پہنچے اور جو چھوڑ مرے وہ وارثوں کا ہے"۔ [1]

اسی طرح ایک روز فرمایا۔

"جب تم میں سے کوئی شخص اپنے سے امیر کی طرف دیکھے تو چاہیئے کہ پھر اپنے سے غریب کی طرف بھی خیال کرے"۔ [2]

---

[1] بخاری شریف۔ بروایت عبداللہ بن مسعودؓ [2] صحیح بخاری بروایت ابو ہریرہؓ

ایک روز ارشاد فرمایا۔

بندہ دینار اور بندہ درہم اور بندہ خمیصہ ہلاک ہو جائے اگر اسے دیا جائے تو خوش ہو جاتا ہے، اور نہ دیا جائے تو ناخوش ہو جاتا ہے ؎۱

ایک روز صحابہؓ سے فرمایا۔

عنقریب ہی تم لوگ امارت پر حرص کرو گے۔ اور وہ قیامت میں ندامت ہو گی پس وہ اچھی دودھ پلانے والی ہے اور بری دودھ چھڑانے والی، یعنی اس کی ابتدا تو اچھی ہے مگر انجام برا ہے ؎۲

باوجود اس زہد و قناعت اور دنیوی تکلفات امارت پسندی سے اجتناب اور دنیا کے زر و مال سے نفرت کرنے کے حضور پرنور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات ترک دنیا سے منع فرماتے تھے، اور دنیاوی طریق زندگی میں جسم کی پاکیزگی

؎۱ بخاری شریف بروایت ابوہریرہ۔ رض ؎۲ بخاری شریف بروایت ابوہریرہؓ

لباس و مکان کی صفائی اور دیگر ضروریات زندگی پوری کرنے کی تلقین فرماتے، بلکہ عبادت الٰہی کی اس سخت مشقت سے بھی منع فرماتے تھے جو ضروریات زندگی اور انسان کی صحت میں خلل انداز ہو سکے۔

جیسے ایک دفعہ آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین عبادت الٰہی کے ذوق و شوق میں اِس غرض سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضور صلعم کی عبادت کے حالات دریافت کریں، وہ سمجھتے تھے کہ آنحضرت صلعم رات دن عبادت الٰہی میں مصروف رہتے ہوں گے، مگر جب حالات سنے تو اُن کے اس خیال کے مطابق نہ تھے، پھر خود ہی کہنے لگے کہ بھلا ہمکو حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے کیا نسبت، ان کے تو اگلے پہلے گناہ سب خدا نے معاف کر دیئے ہیں، ایک صاحب نے کہا میں تو رات بھر نماز پڑھا کروں گا، دوسرے صاحب بولے، میں

عمر بھر روزہ رکھوں گا، تیسرے بولے میں تا عمر شادی نہ کروں گا، حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے تھے۔

فرمایا۔

خدا کی قسم میں تم سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں، تاہم روزہ بھی رکھتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں۔ سوتا بھی ہوں، عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں، جو شخص میرے طریقہ پر نہیں چلتا وہ میرے گروہ سے خارج ہے [۱]

اسی طرح کا ایک واقعہ ہے کسی غزوہ میں ایک صحابی کا کسی ایسی غار میں گذر ہوا جس کے ساتھ ہی پانی بھی تھا۔ اور آس پاس کچھ بوٹیاں بھی تھیں،

اُس نے حضور پُرنورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھکو ایک ایسا غار مل گیا ہے جسمیں ضرورت کی سب چیزیں ہیں (یعنی رہنے کو جگہ پینے کو پانی اور کھانے کو جنگلی بوٹیاں ہیں) میرا دل

---

[۱] صحیح بخاری کتاب النکاح۔

چاہتا ہے کہ وہاں گوشہ نشین ہو کر ترک دنیا کر دوں۔ آپؐ نے فرمایا۔

میں یہودیت یا نصرانیت لیکر دنیا میں نہیں آیا، میں تو آسان اور سہل ابراہیمی مذہب لیکر آیا ہوں ؎۱

اسی طرح طریق زندگی میں جسم کی پاکیزگی اور لباس و مکان کی صفائی کی بھی حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم تلقین فرماتے تھے۔ ایک شخص کو میلے کپڑے پہنے دیکھکر فرمایا کہ

اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ کپڑے دھو لیا کرے ؎۲

اسی طرح ایک اور شخص کے بال پریشان دیکھے تو فرمایا کہ

اس سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ بالوں کو درست کر لے ؎۳

بعض نو مسلم ابھی تمدن اسلام سے نا آشنا تھے، ایسے لوگ جب مسجد نبوی میں آتے، تو عین نماز میں بھی دیواروں پر

؎۱ مسند ابن حنبل جلد ۵ صفحہ ۲۶۶ ؎۲ ابو داؤد کتاب اللباس
؎۳ ابو داؤد کتاب اللباس

یا سامنے زمین پر تھوک دیتے، آپؐ اس کثافت کو ناپسند فرماتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات دیواروں پر تھوک کے دھبوں کو خود چھڑی کی نوک سے کھرچ کر مٹاتے۔

چنانچہ ایک دفعہ تھوک کا دھبہ دیوار پر دیکھا تو اسقدر غصہ آیا کہ چہرہ انور سرخ ہو گیا، ایک انصاری عورت نے جب وہ دھبہ دھو کر مٹا دیا، بلکہ اسپر خوشبو بھی لگا دی۔ تو حضور پُرنورؐ نہایت خوش ہوئے، اور اس عورت کی تحسین کی ۔؎۱

علاوہ اس کے حضور پُرنور صلعم کو بودار چیزوں مثلاً۔ پیاز لہسن مولی، وغیرہ سے بھی سخت نفرت تھی، بلکہ آپ کا حکم تھا کہ ایسی بودار چیزیں کھا کر لوگ مسجد میں نہ آئیں۔

خوشبو آپؐ کو نہایت مرغوب تھی۔ اگر کوئی شخص ہدیتہً آپکو خوشبو پیش کرتا تو کبھی رد نہ فرماتے تھے۔

کبھی کبھی مسجد نبوی میں خوشبو کی انگیٹھیاں بھی جلائی جاتی تھیں

؎۱ نسائی کتاب المساجد۔

جن میں اگر کا فور وغیرہ جلایا جاتا تھا۔

حفاظت واشاعت اسلام کے لیئے زرومال بھی جمع کیا جاتا تھا، جو ضرورت جہاد میں خرچ ہوتا تھا، مال غنیمت کا پانچواں حصّہ بھی خدا اور اس کے رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام حکومت الٰہی کے مصالح واغراض کے لئے مخصوص تھا جس میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذاتی ضرورت کے لیئے خرچ کرنے کی نہ آپؐ کو کبھی خواہش ہوئی اور نہ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کو۔

یہ تھا حضور پُرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کے اسوہ حسنہ کا مختصر نمونہ۔ جو سراسر احکام ربانی یعنی کلام الٰہی کے عین مطابق تھا۔ اور جسے مقدس مذہب اسلام میں "سُنت نبوی" صلی اللہ علیہ وسلم قرار دیا گیا ہے۔

یہ سب واقعات جو آپ مطالعہ فرما چکے ہیں، روحی فداہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ اسوہ حسنہ ہے، جس کو دنیا بھر کے غیر مذاہب کے لوگ اپنے اپنے ہادیوں اور رہبروں کی زندگی کے نمونہ میں قطعاً پیش نہیں کر سکتے، ہادیِ اسلام علیہ السلام کا یہ دنیوی طرزِ عمل ساڑھے تیرہ سو برس سے آج تک محفوظ ہے، اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔

کیا ہر مسلمان کو (بحیثیت مسلمان) اپنے پیغمبرِ اسلام علیہ السلام کے اس صادق طریقِ عمل کی متابعت پر کسی قسم کا احتراز کرنا بھی واجب ہو سکتا ہے؟

ہر گز نہیں، بلکہ ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ پر چل کر ہی دنیا میں امن و سلامتی اور نجات اُخروی ہو سکتی ہے۔

اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریق عمل

اسی سنت نبوی پر خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

عامل تھے جو صفحات اولین میں آپ پڑھ چکے ہیں۔

چنانچہ خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے خدا اور اس کے رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی

کیلئے اپنا تمام مال راہ خدا میں خرچ کردیا۔

جیسے کہ مولانا شبلی رحمت اللہ تعالےٰ علیہ نے لکھا ہے:- علامہ اقبالؒ

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس

صدیق (رض) کیلئے ہے خدا کا رسول بس

اپنے عہد خلافت میں جب آپ کو خلافت کے کام انجام دینے میں

۶۶

فکر معاش کی فرصت نہ ملی۔ تو آپ نے بیت المال سے کم از کم روزینہ مقرر کرنے کی درخواست کی، پھر اسمیں بھی۔ خانگی اخراجات میں قناعت کر کے باقی رقم بیت المال میں جمع کرا دی۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی زندگی کے طرز عمل اور ان کے عادات و اخلاق کے متعلق مؤرخوں نے مستقل عنوانات قائم کئے ہیں۔

چنانچہ مولانا شبلی علیہ الرحمۃ "الفاروق" میں لکھتے ہیں۔

"عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصویر زندگی کا ایک رُخ تو یہ ہے کہ وہ اپنے عہد خلافت میں روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے معاملہ درپیش ہے، خالد و امیر معاویہ رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین سے باز پرس ہو رہی ہے سعد بن وقاصؓ۔ ابو موسیٰ اشعریؓ۔ عمر بن العاصؓ ایسے اکابر صحابہ کے نام احکام لکھے جا رہے ہیں"۔

دوسرا رُخ یہ ہے۔ کہ "بدن پر بارہ پیوند کا کرتہ ہے

سر پہ پھٹا سا عمامہ ہے۔ پاؤں میں پھٹی پرانی جوتی ہے۔ پھر اس حالت میں یا تو کندھے پہ مشک لئے جا رہے ہیں۔ کہ بیوہ عورتوں کے گھر پانی بھرنا ہے۔ یا مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پہ بیٹھے ہیں۔ اور نیند کی جھپکی سی آگئی ہے [1]

آپؓ نے بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا۔ لیکن خیمہ یا شامیانہ کبھی ساتھ نہ رہا۔ جہاں ٹھہرے کسی درخت پہ چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے۔

۳۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ کا روزانہ خرچ دو درہم تھا جس کے کم و بیش دس آنے ہوتے ہیں۔

ایک دفعہ احنفؓ بن قیس دیگر رؤسا عرب کے ساتھ آپ سے ملنے آئے، دیکھا تو دامن چڑھائے اِدھر اُدھر دوڑتے پھرتے ہیں۔

احنف رضؓ کو دیکھتے ہی آپ نے فرمایا۔

آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ بیت المال کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے

[1] موطا امام محمد صفحہ ۲۸

تم جانتے ہو کہ ایک اونٹ میں کتنے غریبوں کا حق شامل ہے"
احنف بن قیس نے کہا آپ کیوں تکلیف اٹھاتے
ہیں کسی غلام کو حکم دیجئے کہ وہ ڈھونڈ لائیگا"
فرمایا مجھ سے بڑھ کر اور کون غلام ہو سکتا ہے"
آپ نے جب شام کا سفر کیا۔ تو صرف ایک غلام
اسلم آپکے ہمراہ تھا۔ ہر منزل پر کبھی آپ سوار ہوتے
اور کبھی غلام۔
جب شہر کے قریب پہنچے تو اسلم اونٹ پر سوار تھا اور
آپ اونٹ کی نکیل پکڑے پیدل چل رہے تھے۔
اُدھر اہل شام استقبال کو آرہے تھے، جو آتا پہلے اسلم
کی طرف متوجہ ہوتا تھا، اور وہ حضرت عمر فاروقؓ کی
طرف اشارہ کرتے تھے۔
لوگوں کو تعجب ہوتا تھا، اور آپس میں حیرت سے سرگوشیاں
کرتے تھے۔
آپ نے یہ دیکھکر فرمایا، اِن کی نگاہیں شان و شوکت

ڈھونڈ رہی ہیں اور وہ یہاں کہاں -

۲۳ھ ہجری میں سفر حج کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ عمر فاروق رضؓ کی سطوت و جبروت کا آفتاب نصف النہار پر آگیا تھا -

سعید (جو ایک مشہور تابعی ہیں) بھی اس سفر میں آپ کے شریک تھے - انکا بیان ہے، کہ حضرت عمر فاروقؓ جب ابطح میں پہنچے - تو سنگریزے سمیٹ کر اس پر کپڑا ڈال کر اسکو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے -

پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی -

اے خدا اب میری عمر زیادہ ہو گئی ہے اور قوٰی کمزور ہو گئے ہیں، اب مجھکو دنیا سے اٹھا لے ؎۱ -

ایک دفعہ آپ دیر تک گھر میں ہی رہے، جب باہر آئے تو لوگ دیر سے انتظار کر رہے تھے -

معلوم ہوا کہ پہننے کو اور کپڑے نہ تھے، اسی لئے انہی کپڑوں کو جو بدن پر تھے - دھو کر سوکھنے ڈال دیا تھا، ان کے خشک

؎۱ موطا امام محمد صفحہ ۳۸۲

ہونے میں دیر ہو جانے کے باعث گھر سے جلدی نہ نکل سکے
جب خشک ہوئے تو ہی کپڑے پہن کر باہر نکلے۔ باوجود اس
زہد و قناعت کے رہبانیت کو پسند نہ فرماتے تھے۔

چنانچہ ایک دفعہ ایک شخص جس کو آپ نے یمن کا عامل (گورنر)
مقرر کیا تھا۔ آپ سے ملنے آیا، دیکھا تو لباس فاخرہ پہنے ہے
بالوں میں خوب تیل پڑا ہے۔

آپ عامل کے یہ تکلفات دیکھکر نہایت ہی ناراض ہوئے
اور وہ کپڑے اس سے اتروا کر موٹے جھوٹے کپڑے پہنائے
دوسری دفعہ وہی عامل آیا۔ تو پریشان منہ اور پھٹے پرانے
کپڑے پہن کر آیا۔

اُس سے فرمایا۔

"یہ بھی مقصود نہیں۔ آدمی کو پراگندہ نہ ہونا چاہیئے اور
نہ پٹیاں جمانی چاہئیں"۔

غرض کہ آپ نہ بیہودہ تکلفات اور آرائش کو پسند کرتے
تھے اور نہ خستہ حال زندگی کو اچھا سمجھتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ خلیفہ ثالث مقرر ہوئے، آپ پہلے ہی غنی تھے، اور عثمان غنیؓ کے لقب سے ملقب تھے لیکن اس دولت سے سینکڑوں غلاموں کو آپ نے آزاد کرایا

ہر وقت اسلام اور مجاہدین اسلام کی خدمت کی بیواؤں یتیموں کی پرورش کی، مساکین و فقرا کی امداد میں اپنا زر و مال خدا کی راہ میں خرچ کیا۔

آپ کے عہد خلافت کے بعد حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہ کو خلافت تفویض ہوئی۔

آپ کے زہد و اتقا کا یہ حال تھا۔ کہ جب حضور پر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی نور نظر خاتون جنت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے ان کی شادی کی درخواست پر ان سے پوچھا۔

"تمہارے پاس مہر میں دینے کے لئے کیا ہے"؟

تو فرمایا کچھ نہیں؟

حضور پرنور صلعم نے دریافت کیا کہ وہ حطینہ (زرہ) کیا ہوئی؟ جو جنگ بدر میں ہاتھ آئی تھی؟

جواب دیا۔ وہ تو موجود ہے؟

حضور پرنور صلعم نے فرمایا۔ بس وہ کافی ہے۔

ناظرین کو خیال ہوگا کہ وہ زرہ بڑی قیمتی ہوگی سنئے۔ صرف ایک روپیہ چار آنے اس کی قیمت تھی۔

علاوہ اس کے ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی۔

یہ تھا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا کل اثاثہ اور اسی سرمایہ کو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نذر کیا۔

یہ بھی سن لیجئے گا، شہنشاہ کونین نے اپنی نور نظر سیدہ عالمؓ کو جو جہیز دیا۔ وہ یہ تھا۔

دو بان کی چارپائیاں۔ ایک چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بدلے کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے۔ ایک چھاگل۔ ایک مشک۔ دو چکیاں، دو مٹی کے گھڑے۔

یہ تھا خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کی زندگی کا طریق عمل۔

اب حضور پرنور صلعم کے چند اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کے چند معاشرتی نمونے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

حضرت زبیر بن العوامؓ | آپ پیغمبر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، ادھر ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھی حقیقی بھتیجے تھے اور حضرت صدیق اکبرؓ کے داماد ہونے کے باعث حضور پرنور صلعم کے ہم زلف بھی تھے۔

تقویٰ، پارسائی، حق پسندی، بے نیازی، سخاوت اور ایثار میں ممتاز تھے۔

اگرچہ آپ کے ایک ہزار غلام تھے۔ جو روزانہ اجرت پر کام کر کے ایک معتد بہ رقم آپ کے پیش کرتے تھے۔ لیکن آپ نے کبھی

اس رقم میں سے ایک حبہ بھی اپنی ذات یا اپنے اہل وعیال پر خرچ کرنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ روزانہ جسقدر رقم آتی۔ اسی وقت اسے صدقہ کر دیتے تھے، اپنی اسی یکتا سخاوت کے باعث باوجود بہت بڑے متمول ہونے کے بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے تھے، اسکی وجہ یہ تھی کہ لوگ عموماً اپنا مال ان کے پاس جمع کراتے تھے۔ لیکن آپ احتیاط کے خیال سے سب سے کہہ دیتے تھے کہ امانت نہیں، بلکہ قرض کی حیثیت سے لیتا ہوں چنانچہ ہوتے ہوتے اسی طرح بائیس لاکھ کے مقروض ہو گئے[1] جنگ جمل کیلئے تیار ہوئے تو آپ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو یہ وصیت کی۔

جان پدر! مجھے سب سے زیادہ خیال اپنے قرض کا ہے اسلئے میرا مال ومتاع فروخت کر کے سب سے پہلے قرض ادا کرنا۔ جو کچھ باقی بچ رہے اس میں سے تیسرا حصہ خاص تمہارے بچوں کے لئے وصیت کرتا ہوں۔ ہاں اگر مال کفایت نہ کرے

---

[1] بخاری کتاب الجہاد باب برکتہ الغازی۔

(یعنی میرا قرض بھی ادا نہ ہو سکے) تو میرے مولیٰ کی طرف

رجوع کرنا"

آپ کے فرزند عبداللہ نے پوچھا۔

وہ آپ کا مولیٰ کون ہے؟

فرمایا۔

میرا مولیٰ خدا ہے جس نے ہر مصیبت کے وقت

میری دستگیری کی ہے"

حضرت طلحہ بن عبداللہ رض | آپ بھی اکابر صحابہؓ میں

سے تھے جنکا سلسلہ نسبت ساتویں پشت میں حضور پر نور

صلعم سے ملتا ہے۔ آپ فیاض اور خیر کے لقب سے ملقب تھے

ایک دفعہ آپ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے

پاس اپنی جائداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی اور وہ سب

رقم راہ خدا میں صرف کردی۔

آپ کی بیوی سعدی بنت عوف کا بیان ہے۔

ایک دفعہ میں نے آپ کو غمگین دیکھکر پوچھا۔
آج آپ اسقدر اداس کیوں ہیں۔ کیا مجھ سے کوئی خطا سرزد
ہوئی ہے؟
فرمایا۔ "نہیں تم نہایت ہی اچھی بیوی ہو۔ تمہاری کوئی بات
نہیں، اصل بات یہ ہے کہ میرے پاس بہت بڑی رقم جمع
ہوگئی ہے، اسوقت اس کی فکر میں تھا۔ کہ کیا کروں"۔؟
میں نے کہا۔ اسکو تقسیم کرادیجئے۔
یہ سنتے ہی اسی وقت آپ نے لونڈی کو بلا کر چار لاکھ کی
رقم اپنی قوم میں تقسیم کرادی ط

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

آپ خاندان زہری سے تعلق رکھتے تھے۔ تجارت کرنے کے باعث بہت بڑے
متمول تھے، طبیعت بے نیاز تھی، دست کرم بہت کشادہ تھا
اپنا زر ومال راہ خدا میں بیدریغ خرچ کرنے کے علاوہ مذہبی

ط طبقات ابن سعد، قسم اول خبر ثالث صفحہ ۱۵۷

ضروریات و مجاہدین اسلام کی امداد میں اکثر صحابہ کرام رضہ سے فوقیت لے جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ آپ نے چالیس ہزار دینار۔ پانچسو گھوڑے اور پانچسو اونٹ پیش کیئے تھے۔

ایک دفعہ اپنا نصف مال چالیس ہزار درہم کا وقف کیا۔

باوجود اس تمول کے آپ کا وسیع دسترخوان پُر تکلف نہ تھا، کبھی قیمتی اور خوش ذائقہ کھانا سامنے آجاتا تو گذشتہ فقر و فاقہ یاد کر کے آپ کی آنکھیں پُرنم ہو جایا کرتی تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپکے صاحبزادے ابوسلمہ کو ریشمی کرتہ پہنے دیکھا تو گریبان میں ہاتھ ڈال کر چیتھڑے اڑا دیئے۔

اسپر آپ نے فاروق اعظم رضہ سے کہا۔

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آنحضرت صلعم نے مجھے ریشمی کپڑا پہننے کی اجازت دیدی ہے۔

عمر فاروق رضہ نے جواب دیا۔ ہاں معلوم ہے لیکن صرف تمہارے لئے اجازت ہے دوسروں کے لئے نہیں [1]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث

حضرت سعد بن وقاصؓ

آپ حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رشتہ میں ماموں تھے [۱]۔

خوف خدا۔ حُبِّ رسُول کریم صلعم۔ تقویٰ۔ زہد - بے نیازی کے جذبات سے سرشار تھے۔

عبادت الہٰی کا یہ حال تھا۔ کہ عموماً رات کے آخری حصہ میں مسجد نبوی صلعم میں آکر نمازیں پڑھا کرتے تھے [۲]۔

اِتباع سنت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و احکام کی پیروی کو اپنی سب سے بڑی سعادت خیال کرتے تھے

زہد و تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس وقت دنیائے اِسلام حکومت اور بادشاہت کے جھگڑوں میں مبتلا تھی، اسوقت آپ مدینہ کے ایک گوشہ میں بیٹھے ہوئے اس فتنہ سے محفوظ رہنے کی دعائیں مانگ رہے تھے، اور جو کوئی ان جھگڑوں کے متعلق پوچھتا تو فرماتے ————

---

[۱] اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۲۹۱ [۲] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۷۰

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ میرے بعد عنقریب ایک فتنہ برپا ہوگا۔ جس میں سونے والا بیٹھنے والے سے بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے اور کھڑا ہونیوالا چلنے والے سے بہتر ہوگا۔[۱]

حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ

آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں حضور پر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملتا ہے، خدا اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت میں اپنے بیوی بچوں تک سے بے نیاز تھے۔

خوف خدا کا یہ حال تھا کہ ایک شخص ان کے گھر پہ ملنے آیا، دیکھا زار و قطار رو رہے ہیں، اس نے متعجب ہو کر پوچھا۔ خیر تو ہے یہ رونا دھونا کیسا؟

کہنے لگے۔ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے آئندہ فتوحات اور تمول کا ذکر کرتے ہوئے شام کا تذکرہ

[۱] مسند ابن حنبل جلد ا صفحہ ۱۶۹

کرتے ہوئے فرمایا۔ اور مجھسے فرمایا۔

ابو عبیدہؓ۔ اگر اسوقت تمہاری عمر وفا کرے تو تمہارے صرف

تین خادم کافی ہوں گے۔

ایک خاص تمہاری ذات کے لئے۔ ایک تمہارے عیال

کے لئے، ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے، اسی طرح

سواری کے لئے بھی تین جانور کافی ہیں، ایک تمہارے

لئے ایک غلام کیلئے، ایک سامان و اسباب کے لئے

لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل

گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے، آہ میں رسول صلعم کو کیا منہ دکھاؤنگا

کیونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

وہ شخص میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ جو

اس حال میں ملیگا جس حال میں میں اسے چھوڑ جاؤں گا۔[۱]

اسی متابعت رسول کریم صلعم کو مدنظر رکھتے ہوئے، جبکہ شام

کی آب وہوا نے بڑے بڑے صحابہ کے طرز معاشرت کو بدل دیا

---

[۱] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ ۱۹۶

تھا، اُسوقت بھی آپ زہد و بے نیازی کے بادشاہ تھے، چنانچہ حضرت فاروق اعظمؓ نے سفر شام کے موقعہ پر فوجی افسروں کو جب پُر تکلف قبائیں اور زرق برق پوشاکیں پہنے دیکھا تو اسقدر غصّہ ہوئے کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر انکی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا، کہ ”تم نے اسقدر جلدی عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔“

لیکن جب حضرت ابو عبیدہؓ سے ملے تو وہی عرب کی سادگی تھی۔ بدن پر سادہ کپڑے اور سواری میں اونٹنی جس کی نکیل معمولی رسی کی جب حضرت عمر فاروقؓ آپ کی قیام گاہ پر تشریف لائے۔ تو وہاں اس سے بھی زیادہ سادگی دیکھی، یعنی ڈھال تلوار اور اونٹ کے کجاوہ کے سوا کوئی سامان راحت نہ تھا۔ اسپر حضرت فاروق اعظمؓ نے فرمایا۔

ابو عبیدہؓ! کاش تم ضروری سامان تو فراہم کر لیتے۔“

آپ بے نیاز نے جواب دیا۔

امیر المومنین! ہمارے لئے بس یہی کافی ہے۔[1]

---

[1] اصابہ جلد ۴ صفحہ ۱۴

حضرت جعفر طیارؓ

آپ حضور پرنور صلعم کے چچازاد اور حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ کے سگے بھائی تھے، نہایت فیاض تھے۔ غربا و مساکین کو کھانا کھلانے میں آپ کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا، اسی لحاظ سے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ کو ابوالمساکین کے نام سے یاد فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ

میں اکثر بھوک کے باعث پیٹ کے کنگروں کو دبائے رکھتا تھا، اور آیت یاد بھی ہوتی تو اسکو لوگوں سے پوچھتا پھرتا۔ کہ شاید کوئی مجھکو اپنے گھر لے جا کر کچھ کھلا دے، لیکن میں نے جعفرؓ کو مسکینوں کے حق میں سب سے بہتر پایا، وہ ہم لوگوں کو (یعنی اصحاب صفہ) کو اپنے گھر لے جاتے تھے، جو کچھ ہوتا سامنے لاکر رکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ بعض اوقات گھی یا شہد کا خالی مشکیزہ تک لا دیتے اور اس کو پھاڑ کر ہمارے

سامنے رکھ دیتے اور ہم ان کو چاٹ لیتے تھے ۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ آپ خاندان مضر سے تھے، اور ایام جاہلیت میں عبد بن حارث کے حلیف تھے تمام صحابہ کرامؓ سے زیادہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اکثر حاضر رہنے کے باعث رحمت عالمؐ کے حسن خلق اور طور و طریقے کے پابند تھے، بارگاہ نبوت میں اسی تقرب کے لحاظ سے آپ کا درجہ بہت بلند تھا۔[2]

سہ ۳۲ ہجری میں جب آپ کی عمر ساٹھ برس سے بھی متجاوز تھی، بیمار ہو گئے، خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آپ کی چونکہ ایک گونہ شکر رنجی تھی، انہوں نے دو برس سے آپ کا مقررہ وظیفہ بند کر دیا تھا، آپ کے پاس آخری لمحہ حیات میں حضرت عثمان غنیؓ عذر خواہی و بیمار پرسی کیلئے تشریف لائے۔

---

[1] صحیح بخاری مناقب حضرت جعفرؓ [2] جامع ترمذی مناقب عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے آپ سے پوچھا۔
"آپ کو کس مرض کی شکایت ہے"۔
آپ نے جواب دیا "اپنے گناہوں کی"۔
حضرت عثمانؓ نے دریافت فرمایا "آپ کیا چاہتے ہیں"۔
جواب دیا "خدا کی رحمت"۔
پوچھا "آپ کے لئے طبیب لاؤں"۔
جواب ملا "مجھے طبیب ہی نے بیمار کر دیا"۔
حضرت عثمانؓ نے پھر دریافت فرمایا "آپ کا وظیفہ جاری کر دوں"۔
آپ بے نیاز نے جواب دیا "مجھے اس کی ضرورت نہیں"
آپ کی اس بے نیازی پر حضرت عثمانؓ نے فرمایا "آپکی صاحبزادیوں کے کام آئیگا"۔
اِسکا آپ نے یہ جواب دیا۔ کیا آپ کو میری لڑکیوں کے محتاج و دست نگر ہو جانیکا خوف ہے؟ میں نے اُنسے کہہ دیا ہے کہ ہر رات کو سورہ واقعہ پڑھ لیا کریں، وہ اسلئے

کہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ

جو ہر رات سورہ واقعہ پڑھے گا، وہ کبھی فاقہ مست

نہ ہوگا۔

حضرت عمار بن یاسر رضؓ

آپ کے والد قحطانی النسل تھے۔ یمن ان کا اصلی وطن تھا۔ اپنے ایک مفقود الخبر بھائی کی تلاش میں مکہ میں پہنچے، اور مکہ میں ہی سکونت پذیر ہو گئے۔ عمار بن یاسرؓ پہلے غلام تھے جنہوں نے مشرف بہ اسلام ہونے میں ناقابل برداشت سختیاں برداشت کیں، مگر آپ کا ہر قدم خدائے پاک کی رضا جوئی اور حضورِ پُرنور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی راہ میں اُٹھتا تھا خدائے واحد کی عبادت میں آپ کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا۔ رات رات بھر نماز اور وظائف میں مشغول رہتے تھے دنیوی بے تکلفی اور معاشرتی سادگی کی یہ حالت تھی کہ عہدِ فاروقیؓ میں آپ کوفہ کے والی تھے، لیکن خود بازار جاکر سودا سلف

خریدتے، اور اپنی پیٹھ پر لاد کر لے آتے۔

جناب مطرف فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ کوفہ میں۔ میں اپنے دوست سے ملنے گیا۔ اثنائے گفتگو میں حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہ کی بعض بے اعتدالیوں کا تذکرہ آگیا تو ایک شخص نے (جو وہاں بیٹھا ہوا اپنے چرمی پیراہن پر پیوند ٹانک رہا تھا) برہم ہو کر کہا

"اے فاسق کیا تو امیرالمومنین رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مذمت کر رہا ہے"

میرے دوست نے عفو خواہی کرتے ہوئے اُن سے کہا

"جانے دو یہ میرے مہمان ہیں"

مجھے اُسوقت معلوم ہوا۔ کہ عمار بن یاسرؓ (یعنی آپ) یہی ہیں، جو اپنے چرمی پیراہن میں پیوند لگا رہے ہیں۔

حضرت مصعب بن زبیرؓ

آپ ایسے حسین و خوشرو نوجوان تھے کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی انکا تذکرہ کرتے تو فرماتے۔

مکہ میں مصعب سے زیادہ کوئی حسین اور خوش پوشاک اور پروردہ نعمت نہیں ہے ؎۱

حسن ظاہری کے ساتھ مزاج بھی فطرتاً نہایت لطافت پسند تھا، عمدہ سے عمدہ پوشاک اور بہتر سے بہتر عطریات استعمال فرماتے تھے، انکا اکثر وقت آرائش و زیبائش و زلف مشکیں کے سنوارنے میں بسر ہوتا تھا، لیکن مشرف بہ اسلام ہوتے ہی شراب توحید نے کچھ ایسا مست کر دیا کہ تمام دنیوی تکلفات بھول گئے،

چنانچہ ایک روز دربار نبوتؐ میں اس شان سے حاضر ہوئے کہ جسم پر ستر پوشی کے لئے صرف ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جا بجا پیوند لگے ہوئے تھے۔

؎۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۸۲

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین نے دیکھا، تو سب نے عبرت سے گردنیں جھکالیں، لیکن حضور پرنور صلعم نے فرمایا۔

الحمد للہ۔ اب دنیا اور تمام دنیا کی حالت بدل جانی چاہیئے یہ وہ نوجوان ہے جس سے زیادہ مکہ میں کوئی نازپروردہ نہ تھا، لیکن نیکوکاری کی رغبت اور خدا ورسول کی محبت نے اسکو تمام چیزوں سے بے نیاز کردیا ؎۱

حضرت عثمان بن مظعون رضؓ

آپ اسلام لانے سے پہلے بھی فطرتاً نیک نفس اور پاکباز تھے، اسلام نے اس فطری پاکبازی کو اور بھی جلا دیکر آپ کے لوحِ دل کو بھی صاف کردیا۔

عبادت شب زندہ دار آپ کا پُرلطف مشغلہ تھا، راتوں کو نمازوں میں گذارتے، دن کو روزہ رکھتے، اس عبادت الٰہی نے بیوی بچوں سے بھی بے نیاز کردیا تھا۔

ایک روز آپ کی زوجہ محترمہ حرم نبوی میں آئیں، امہات المومنین

؎۱ طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث صفحہ ۸۲

نے اُن کو خراب خستہ حالت میں دیکھکر پوچھا "تم نے ایسی
ہیئت کیوں بنا رکھی ہے؟ تمہارے شوہر سے زیادہ قریش میں
کوئی دولت مند نہیں ہے"

وہ بولیں "مجھے اُن سے کیا سروکار، وہ تو رات رات بھر نمازیں
پڑھتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں"

امہات المومنین رض نے حضور پُر نور صلعم سے اسکا تذکرہ کیا، تو حضورؐ
اُسی وقت آپ کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا۔
عثمان بن مظعون ! کیا میری ذات تمہارے لئے نمونہ نہیں ہے؟

آپ نے کہا "میرے ماں باپ آپ پر تصدق یا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کیا بات ہوئی؟"

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔
"تم رات بھر عبادت کرتے ہو، دن کو روزہ رکھتے ہو؟"

آپ نے عرض کیا۔ ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ایسا ہی کرتا ہوں"

حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایسا نہ کرو، تمہاری آنکھ کا تمہارے جسم کا اور تمہارے اہل و عیال کا بھی تم پر حق ہے۔ نمازیں بھی پڑھو۔ آرام بھی کرو، روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔"

چنانچہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس فہمائش کے بعد آپکی بیوی جب پھر امہات المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو ایک دلہن کی طرح معطر تھیں ۱ے

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

آپ خاندان بنی نوفل سے تھے، اور بنی نوفل کا خاندان عبد مناف کا حلیف تھا ۲ے

آپ کو ان اصحاب اولین اسلام میں شامل ہونیکا فخر حاصل تھا، جب کہ آپ کے اسلام لانے سے ہی نو مسلموں میں سات کی تعداد کا اضافہ ہوا تھا۔

تقویٰ، زہد، اور جفاکشی کا نمونہ تھے، اسی زہد و بے نیازی نے منصب امارت جیسے پُر فخر اعزاز سے متنفر کر دیا تھا، فرمایا کرتے

۱ے طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۷۸ ۲ے مسند ابن حنبل صفحہ ۱۷۸

تھے، میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ لوگوں کی نظروں میں حقیر رہنے کے باوجود اپنے آپ کو بڑا سمجھوں۔ ؎[1]

آپ نے بصرہ کی جامع مسجد میں اپنے خطبہ میں فرمایا۔

صاحبو! دنیا رفتنی و گذشتنی ہے، جسکا بڑا حصّہ گذر چکا ہے اور اب صرف ریزش باقی ہے، جس طرح کسی ظرف کا پانی پھینکنے کے بعد آخر میں کچھ دیر تک تقاطر کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔

تم یقیناً اس دنیا سے ایک ایسی جگہ منتقل ہونیوالے ہو جسکو کبھی زوال نہیں۔ تو پھر کیوں نہیں بہتر سے بہتر تحائف اپنے ساتھ لے جاتے۔

ایک دن وہ تھے کہ جب ہم درختوں کے پتوں پر گذارہ کرتے تھے، مجھے ایک دفعہ ایک چادر مل گئی جس کو چاک کر کے میں نے اور سعدؓ نے تہبند بنایا، لیکن آج یہ دن ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک کسی نہ کسی شہر کا امیر ہے۔

نبوت ختم ہو چکی ہے۔ انجام کار بادشاہت قائم ہو گی اور

؎[1] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۳۶۵

تم عنقریب ہمارے بعد امیروں کو آزماؤ گے ۔ ۱

حضرت عبداللہ بن حجش رضؓ

آپ اسدی خاندان میں سے تھے۔ اسلام لاتے ہی خدا اور اس کے رسول کی محبت نے آپ کو تمام دنیا سے بے نیاز کر دیا تھا جفاکشی ان کی فطرت میں داخل تھی۔

چنانچہ جب حضور پُرنور صلعم نے آپ کو نخلستان کی مہم پر مامور فرمایا۔ تو آپ کے ساتھیوں سے فرما دیا تھا۔

گو عبداللہ بن حجش تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں تاہم بھوک پیاس کی سختیوں کو زیادہ برداشت کر سکتا ہے ۔ ۲

جذبہ جہاد و شوق شہادت سے اسقدر سرشار تھے کہ جنگ اُحد کے ایک روز پہلے آپ نے یہ دعا کی تھی۔

خدایا مجھے ایسا مقابل عطا کر جو نہایت شجاع اور سریع الغضب ہو۔ میں تیری راہ میں اس سے معرکہ آرا ہوں، یہاں تک کہ

---

۱ مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۷ ۲ اصابہ تذکرہ عبداللہ بن حجشؓ

وہ مجھے قتل کر کے میرے ناک کان کاٹ ڈالے، جب میں
تجھسے ملوں گا۔ اور تو فرمائیگا اے عبداللہ تیرے کان اور
ناک کیوں کاٹے گئے، تو میں عرض کروں گا تیرے
لئے۔ اور تیرے رسول صلعم کے لئے۔

چنانچہ آپ کی یہ دعا، اس طرح پوری ہوئی کہ
۳ھ ہجری میں معرکہ کارزار گرم ہوا، اور آپ اس میں
اس جوش سے مشرکین اسلام سے لڑے کہ تلوار ٹکڑے ٹکڑے
ہو گئی، حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کھجور کی چھڑی
مرحمت فرمائی، جس نے آپ کے ہاتھ میں تلوار کا کام دیا۔
دیر تک لڑتے رہے۔ بالآخر اسی حالت میں ابوالحکم بن
اخنس ثقفی کے وار نے شہادت کی تمنا پوری کی، مشرکین نے
آپ کے اعضا بھی کاٹ ڈالے۔

حضرت عامر بن ربیعہ رضی

آپ کا خاندان منتری حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے والد خطاب کا حلیف تھا۔ خطاب نے آپ کو فرطِ محبت سے اپنا متبنیٰ بھی کر لیا تھا، اسی وجہ سے عامر بن الخطاب کے نام سے بھی آپ مشہور تھے۔

آپ تمام غزوات اسلام میں حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمرکاب رہے، اور نہایت جفاکشی و جاں کاہی سے تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیتے تھے،

ایک روز آپ نے اپنے بیٹے عبداللہ سے کہا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو مہمات پر بھیجتے تھے تو عسرت و ناداری کے باعث سامان رسد میں تھوڑی سی کھجوریں ساتھ کر دیتے تھے، جو پہلے ایک ایک مٹھی بھر مجاہدین کو ملتی تھیں، اس کے بعد کم ہوتے ہوتے صرف ایک کھجور کی نوبت آجاتی تھی۔

عبداللہ نے متعجب ہو کر پوچھا، ایک ایک کھجور سے کس طرح

کام چلتا ہوگا ؟ ۔

فرمایا ۔ جان پدر ایسا نہ کہو بعض اوقات جب کھجوریں ختم ہو جاتی تھیں تو ہم لوگ اس ایک کھجور کے لئے بھی ترس جاتے تھے ؂۱

حضرت عبداللہ بن عمرؓ

آپ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ کے فرزند صالح تھے۔ آپکی تمام زندگی زہد و تقویٰ کا بے نظیر نمونہ تھی، ایسی بے نظیر کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالٰی نے لوگوں سے کہا

جو حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایسے اصحاب کو دیکھنا چاہتا ہو جن میں آپ کے بعد بھی کوئی تغیر نہیں ہوا، تو وہ ابن عمرؓ کو دیکھے، ان کے علاوہ ہم میں سے ہر شخص کو حوادث نے بدل دیا ہے لیکن وہ نہیں بدلے ؂۲

اسی طرح حضرت زین العابدین رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے

؂۱ مسند ابن حنبل جلد ۳ صفحہ ۲۴۴ ؂۲ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۱۵۱

تھے۔ کہ

ابن عمرؓ۔ زہد۔ تقویٰ۔ اور اصابت رائے میں ہم سب سے

فائق تھے۔ حلہ

مال و دولت ان کی نگاہ میں بالکل بے حقیقت چیز تھی، اور

بالخصوص اپنی پسندیدہ سے پسندیدہ اور محبوب سے محبوب چیزوں

کو راہ خدا میں دیدیتے تھے، اور آپ کی نظر میں وہ غلام پسند

ہوتا تھا جو عبادت گذار ہو۔

آپ کے غلام بھی اس نکتہ کو سمجھ گئے تھے۔ اور وہ مسجدوں

کے ہو رہتے تھے، آپ ان کے ذوق عبادت کو دیکھکر خوش

ہوتے۔ اور ان کو آزاد کر دیا کرتے تھے۔

بعض لوگ آپ سے کہتے۔ کہ یہ غلام اپنی آزادی کیلئے

دینداری دکھاتے ہیں۔

اسپر آپ فرماتے۔

جو شخص مجھکو خدا کے ذریعہ دھوکہ دیتا ہے، ہم اُس سے

حلہ مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۵۶۱ ۔

دھوکہ کھا جاتے ہیں [1]

آپ بڑی سے بڑی دولت کو پاؤں سے ٹھکرا دیتے تھے، چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یزید کو ولی عہد بنانا چاہا تو عمرو بن العاص کو آپ کا عندیہ بھی لینے بھیجا۔

انہوں نے آکر کہا، کہ "آپ صحابی ہیں، اور امیر المومنین کے لڑکے ہیں، لوگ بھی آپ کی بیعت پر آمادہ ہیں، پھر کیوں نہ ہم لوگ آپکے دستِ حق پرست پر بیعت کر لیں"؟

آپ نے پوچھا "کیا سب آمادہ ہیں"؟

عمرو بن العاص نے کہا "ہاں۔ معدودے چندے سوا سب تیار ہیں"۔

اس پر آپ نے فرمایا "اگر تین آدمی بھی میرے مخالف ہیں تو مجھے خلافت کی ضرورت نہیں"۔

عمرو بن العاص کو جب یقین ہو گیا کہ آپ نہ خلافت کے خواہاں ہیں اور نہ کشت و خون پسند کرتے ہیں تو دبے لفظوں میں کہا

---

[1] ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۲۳

پھر آپ ایسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کیوں نہ کرلیں جس پر سب متفق ہوں، اس کے عوض اسقدر زمین اور زرومال نقد دیا جائیگا کہ آپ کی پشت ہا پشت کے لیئے کافی ہو گا۔
اتنا سنتے ہی آپ غصہ سے بیتاب ہو گئے اور فرمایا۔
تمہاری یہ مجال! ابھی میرے یہاں سے نکل جاؤ۔ اور پھر کبھی صورت نہ دکھانا، میرا دین تمہارے درہم و دینار کے عوض فروخت نہیں ہو سکتا، مجھکو امید ہے کہ جب دنیا سے جاؤں گا تو میرے ہاتھ ان الائشوں سے پاک ہوں گے۔ [۱]
سنت نبوی صلعم کے اسقدر پابند تھے، کہ اگر کسی چیز میں صدقہ کا شبہ یا وہم بھی ہوتا تو اسکا استعمال نہ کرتے۔
چنانچہ ایک دن بازار گئے۔ وہاں ایک دودھاری بکری بک رہی تھی، آپ نے غلام سے کہا۔ لے لو۔ اُس نے اپنے دام سے خریدی، چونکہ آپ دودھ سے افطار کرنا پسند کرتے تھے، اس لئے غلام نے افطار کے وقت اِسی

---

[۱] ابن سعد جزو ۴ قسم اول صفحہ ۱۲۱

بکری کا دودھ آپ کے پیش کیا، دودھ کو دیکھتے ہی فرمایا۔ کہ یہ
دودھ اُسی بکری کا ہے جو بکری غلام کی خریدی ہوئی ہے، اور
غلام صدقہ کا ہے، اسلئے اس کو لیجاؤ، مجھکو اسکی ضرورت نہیں ہے
ایک مرتبہ کسی دعوت میں تشریف لے گئے۔ وہاں پھولدار
فرش بچھا ہوا تھا، کھانا چنا گیا۔ تو پہلے ہاتھ بڑھایا اور پھر کھینچ
لیا۔ فرمایا۔ دعوت قبول کرنا حق ہے، مگر میں روزہ سے ہوں
یہ عذر پھولدار فرش کی وجہ سے تھا [۱]
صدقہ و خیرات تو آپ کا نمایاں وصف تھا، ایک ایک
نشست میں بیس بیس ہزار روپیہ تقسیم کر دیتے تھے، دو دو
تین تین ہزار کی رقمیں تو عموماً خیرات کیا کرتے تھے [۲]
آپ کی اہلیہ محترمہ آپکی اس غیر معمولی فیاضی سے بہت نالاں تھیں
اور شکایت کیا کرتی تھیں کہ جو کھانا میں ان کیلئے پکاتی ہوں۔ وہ
کسی مسکین کو بلا کر کھلا دیتے ہیں۔
فقراء آپ کی مسکین نوازی کو جانتے تھے، اِس لئے مسجد کے

---

[۱] ابن سعد جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ [۲] اصابہ تذکرہ ابن عمر رضؓ

سامنے آپ کی گذرگاہ پر آکر بیٹھ جاتے تھے، جب آپ مسجد سے نکلتے تو ان کو بھی اپنے ساتھ گھر لیتے آتے تھے۔

بیوی نے عاجز ہو کر ایک مرتبہ کھانا فقراء کے گھروں پر بھجوا دیا اور کہلا بھیجا کہ ان کے راستہ میں نہ بیٹھا کریں۔ اور اگر وہ بلائیں بھی تو اُن کے ہمراہ نہ آئیں،

چنانچہ ایک روز آپ مسجد سے واپس ہو کر حسب معمول گھر کی طرف آرہے تھے، راہ میں کوئی فقیر نہ ملا۔ تو گھر میں آتے ہی حکم دیا کہ فلاں فلاں محتاجوں کو کھانا بھجوا دو، کیا تم چاہتی ہو کہ میں رات فاقہ میں بسر کروں، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ آپ نے بیوی کے اس طرز عمل پر رات کو کھانا نہ کھایا [1]

---

[1] ابن سعد جزء ۳ قسم اول صفحہ ۱۳۲

حضرت ابوھریرہ رضؓ

آپ کا خاندانی نام عبدالشمس تھا، باپ کا نام عامر، اسلام لانے کے بعد حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات نے آپ کا نام عمیر رکھا، ابوہریرہ کنیت تھی جس کی وجہ خود بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک ہرہ (بلی) پالی تھی، رات کے وقت اس کو درخت پر رکھتا تھا، اور صبح کو جب بکریاں چرانے جاتا تو ساتھ لے لیتا اور اس کے ساتھ کھیلتا رہتا، لوگوں نے بلی سے میری یہ غیر معمولی اُلفت دیکھکر مجھے ابوہریرہ (رضؓ) کہنا شروع کیا"[۱]

آپ اگرچہ غزوہ خیبر میں مدینہ شریف میں تشریف لاکر مشرف بہ اسلام ہوئے، اور کل چار سال صحبت نبوی صلعم سے آپکو فیضیاب ہونیکا موقع ملا، لیکن اس قلیل مدت میں چونکہ حضور پرنور صلعم کی خدمت اقدس سے ایک لمحہ جدا نہ ہوئے اس اعتبار سے یہ قلیل مدت بہت طویل ہو جاتی ہے، جسکا نتیجہ یہ تھا کہ آپ پر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ کا بہت

---

[۱] ترمذی مناقب ابوہریرہ رضؓ

گہرا اثر پڑا تھا، اِس لئے اسلامی تعلیمات کا مکمل نمونہ بن گئے تھے
فقر و غنا دونوں حالتوں میں آپ بلند حوصلہ اور فیاض رہے
اِفلاس تنگدستی اور فقر و فاقہ کا پہلا دور آپ کا نہایت ہی درد
انگیز تھا مسلسل فاقوں سے غش پر غش آجاتے تھے، لیکن حضور
رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔
اِسی زمانہ میں جبکہ آپ نے سخت تکلیفیں برداشت کیں۔ لیکن زبان
کبھی سوال سے آلودہ نہ ہوئی بلکہ اکثر صبر کیا، اور جب بھوک کی شدت
سے بہت بے قرار ہوتے تو صرف حسن طلب سے کام لیتے۔
جب آپ کے فقر و فاقہ کا دور ختم ہوا، اور خدا نے آپ کو فارغ البال
کیا تو اسوقت بھی اپنی فقیرانہ زندگی کو قائم رکھتے ہوئے فارغ البالی کا
بھی اظہار کیا۔
چنانچہ کتان کے دو رنگے ہوئے کپڑے پہنتے، ایک سے ناک صاف
کر کے کہتے۔

واہ وا ابوہریرہ (رضہ) آج تم کتان سے ناک صاف کرتے ہو حالانکہ
کل ممبر نبوی صلعم اور حضرت عائشہ صدیقہ رضہ کے حجرے کے درمیان

غش کھا کر گر تے تھے، اور گذرنیوالے تمہاری گردن پر پاؤں رکھکر کہتے تھے کہ ابوہریرہ کو جنون ہو گیا ہے، حالانکہ تمہاری یہ حالت بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔ [1]

غنا کی حالت میں بڑی سیر چشمی سے لوگوں کو کھلاتے پلاتے تھے

عبداللہ بن رباح کی روایت ہے کہ چند آدمیوں کا وفد امیر معاویہ رضہ کے پاس گیا، جسمیں ہمارے ساتھ ابوہریرہ رضہ بھی تھے، رمضان کا مہینہ تھا، ہم لوگوں کا معمول تھا۔ کہ کھانے پر ایک دوسرے کو بلایا کرتے تھے، مگر ہم سب سے زیادہ ابوہریرہ رضہ دعوت کیا کرتے تھے۔ [2]

بذات خود لطیف غذا سے محض اسلئے پرہیز کرتے تھے۔ کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔

ایک دفعہ لوگوں نے آپکو بھنی ہوئی بکری کی دعوت دی آپنے محض اس لئے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ حضور پرنور صلعم دنیا سے اس حالت میں سدھارے کہ کبھی جو کی روٹی

---

[1] بخاری کتاب الاعتصام باب ذکر النبی [2] مسند احمد بن حنبل رضہ

بھی آسودہ ہو کر نہیں کھائی ؎۱

جب آپ امیر ہوئے تو آپ نے اس امارت کی حالت میں بھی اپنی زندگی میں کوئی امیرانہ تبدیلی نہیں پیدا کی۔

چنانچہ جب شہر میں نکلتے تو سواری میں گدھا ہوتا جس پر معمولی نمدہ کسا ہوتا، چھال کی رسی کی لگام ہوتی، غرض اس سادگی سے نکلتے کہ کسی کو علم بھی نہ ہوتا۔ کہ یہ امیر شہر ہیں، جب کوئی آپ کی سواری کے سامنے آجاتا تو (مذاق سے) کہتے۔ کہ راستہ چھوڑدو امیر کی سواری آرہی ہے ؎۲

سلمان فارسیؓ | آپ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک خاندان سے تھا، مجوسی نام مایہ تھا، اسلام لانے کے بعد سلمانؓ نام رکھا گیا، بارگاہ نبوت سے آپ کو سلمان الخیر کا لقب ملا۔ آپ کے مذہبی جذبہ کی شدت فطری تھی جس طرح آتش پرستی کے زمانہ میں سخت آتش پرست۔ اور نصرانیت کے

؎۱ بخاری جلد ۲ کتاب الاطعمہ ؎۲ ابن سعد جز ۴ قسم ۲ صفحہ ۶۰

زمانہ میں عابد وزاہد نصرانی تھے، اسی طرح مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد آپ اِسلام کا مکمل ترین نمونہ بن گئے تھے۔

آپ کا زہد و رع اِس حد تک پہنچ گیا تھا، جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے۔

یعنی عمر بھر گھر نہیں بنایا، جہاں کسی دیوار یا درخت کا سایہ ملجاتا پڑ رہتے۔

ایک شخص نے اجازت چاہی کہ میں آپ کے لئے مکان بنا دوں فرمایا "مجھے اس کی ضرورت نہیں"۔

وہ پیہم اصرار کرتا رہا۔ آپ برابر انکار کرتے جاتے تھے، آخر اُسنے کہا "آپ کی مرضی کے مطابق بنا دوں گا"۔

فرمایا "وہ کیسے"؟

اُس نے عرض کیا کہ اتنا مختصر کہ اگر کھڑے ہوں تو سر چھت سے مل جائے اور اگر لیٹیں تو پیر دیوار سے لگیں۔

فرمایا۔ خیر اسمیں کوئی مضائقہ نہیں، چنانچہ اس نے آپ کے لئے ایک جھونپڑی سی بنا دی ہے[۱]

---

[۱] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷

مدائن کی امارت کے زمانہ میں جبکہ شان وشوکت خدم وحشم کے تمام لوازم آپ کے لئے مہیا ہو سکتے تھے۔ اسوقت بھی آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا، لباس میں ایک عبادہ اور ایک معمولی سی جانگھیا ہوتی تھی۔

آپ کی اس غیر معمولی سادگی کی وجہ سے لوگوں کو اکثر مزدور کا دھوکہ ہو جاتا تھا۔

ایک مرتبہ ایک یمنی نے جانور کے لئے چارہ خریدا، آپ کھڑے تھے، اس نے آپ سے کہا، اس کو میرے گھر پہنچا دو۔

آپ بلا تکلف اٹھا کر لے چلے، راستہ میں لوگوں نے دیکھا تو کہنے لگے کہ لائیے ہم پہنچا دیں، یہ حال دیکھکر یمنی نے لوگوں سے پوچھا، یہ کون ہیں؟

لوگوں نے کہا، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، وہ یمنی یہ سنکر سخت نادم ہوا، اور اس نے عرض کیا۔ آپ اب تکلیف نہ کیجیے۔

لیکن آپ نے فرمایا، اس میں مجھے جنت کا ثواب ہے اب

میں بوجھ کو مقام پر پہنچائے بغیر نیچے نہیں رکھ سکتا" ؎۱
باوجود اس سادگی اور کسرِ نفسی کے آپ مذہبی تشدد کے
ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا لحاظ رکھتے تھے، اور دوسروں
کو بھی تلقین کیا کرتے تھے۔

چنانچہ آپ کے اسلامی بھائی جناب ابو دردا رضی اللہ تعالٰے
عنہ جو بڑے عابد و زاہد تھے رات بھر نمازیں پڑھتے اور دن بھر
روزہ رکھتے تھے، اکثر راتیں آپ کی نمازوں میں ہی گذرتیں تھیں
ایک روز آپ ان سے ملنے ان کے گھر میں آئے، دیکھا تو آپکی
اہلیہ محترمہ خستہ خراب حالت میں ہے، پوچھا یہ کیا صورت
بنا رکھی ہے"۔

انہوں نے کہا۔ "بناؤ سنگار کس کے لئے کروں، آپ کے
بھائی کو تو دنیا کی ضرورت باقی نہیں رہی"۔

ابو درداؓ جب گھر میں آئے تو ملنے ملانے کے بعد انہوں نے
کھانا منگایا، مگر خود معذرت کی کہ میں روزے سے ہوں"

؎۱ ابن سعد جزو ۴ قسم اول صفحہ ۶۳ و ۶۴ -

آپ نے فرمایا، جب تک تم نہ کھاؤ گے۔ میں بھی نہ کھاؤنگا
اس رات آپ ان کے گھر میں ہی رہے، مگر ان کو دیکھتے
رہے، چنانچہ جب ابودرداؓ عبادت کے لئے اٹھے
تو آپ نے ان کو روک دیا اور فرمایا۔

تم پر تمہارے رب۔ تمہاری آنکھ۔ تمہاری بیوی سب کا
حق ہے، روزوں کے ساتھ افطار اور شب بیداری کے ساتھ
سونا بھی ضروری ہے"

صبح کو دونوں نے یہ معاملہ حضور پُر نورؐ صلعم کے سامنے
پیش کیا۔

حضور پُر نور صلعم نے ابودرداؓ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا
تم سے زیادہ مذہب سے واقف سلمان (رضہ) ہیں"۔[1]

---

[1] استیعاب جلد ۲ صفحہ ۵۷۲

حضرت سعید بن عامر رضؓ

آپ کا سلسلہ نسب عبد مناف سے ملتا ہے۔

غزوہ خیبر کے قبل مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ نے اپنے عہد خلافت میں عباس بن غنم کی وفات کے بعد ان کو حمص کی گورنری پیش کی،

ان کے عہد حکومت میں کسی نے فاروق اعظم کو خبر دی کہ سعید بن عامر رضؓ پر جنون کا اثر رہتا ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ تعالے عنہ نے فوراً تحقیق کیلئے آپ کو طلب کیا۔

خلیفہ ثانی امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضؓ کی طلبی پر آپ حمص کے والی اس سر و سامان سے دارالخلافت میں آئے۔ کہ ہاتھ میں ایک عصا تھا۔ اور پانی پینے کے لئے ایک پیالہ

فاروق اعظم رضؓ نے پوچھا "بس اسی قدر ساز و سامان ہے" عرض کیا۔ اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے پیالہ میں کھاتا ہوں۔ اور عصا پر زاد راہ لٹکاتا ہوں۔"

اِس کے بعد امیر المومنین نے پوچھا - میں نے سنا ہے - کہ تم پر کچھ جنوں کا اثر ہے "

جواب دیا "نہیں "۔

پوچھا - "پھر مجھکو کیسے اِطلاع ملی - کہ تم کو غشی کے دورے ہوتے ہیں !!

کہا - ہاں یہ سچ ہے ، اسکا سبب یہ ہے - کہ جبیب بن عدی کے مصلوب ہوتے وقت میں بھی موجود تھا ، اور وہ اس حالت میں قریش کے لئے بددعا کرتے تھے ، چونکہ میں بھی قریش ہوں - اس لئے جب اس منظر کا خیال کرتا ہوں تو مجھ پر غشی کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے ۔

واقعہ کی تحقیق کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو پھر حمص کی گورنری پہ واپس کرنا چاہا - تو آپ نے انکار کر دیا لیکن جب زیادہ اصرار بڑھا تو مجبور ہو کر حمص چلے گئے محکوموں کے ساتھ ہمدردی کرنا آپ کا نمایاں وصف تھا -

---

ے اسد الغابہ جلد ۲ صفحہ ۳۱۱ -

جس شہر کے آپ امیر ہوتے، وہاں کے لوگ آپ کے گرویدہ ہو جاتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضؓ نے دریافت کیا۔ کہ

"شام والے تم سے اسقدر محبت کیوں کرتے ہیں"

جواب میں فرمایا، میں ان کی گلہ بانی کے ساتھ ان کی نگہبانی بھی کرتا ہوں۔ فاروق اعظم رضؓ نے خوش ہو کر دس ہزار کی گرانقدر رقم آپ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے یہ کہکر لینے سے انکار کیا کہ۔

میرے گھوڑوں اور غلاموں کی آمدنی میرے لئے کافی ہے

میں چاہتا ہوں کہ مسلمانوں کا کام فی سبیل اللہ کروں"

اسپر عمر فاروق رضؓ نے فرمایا۔

اسکو لے لو۔ واپس نہ کرو۔ آنحضرت صلعم نے مجھکو بھی ایک دفعہ کچھ مال دیا تھا، میں نے بھی تمہاری طرح یہی جواب دیکر واپس کرنا چاہا تھا، مگر آنحضرت صلعم نے ارشاد فرمایا۔ اگر بغیر سوال کئے خدا دے تو اس کو لے لیا کرو۔

کیونکہ یہ آسکا عطیہ ہے ط

حضرت ثوبان رضؓ آپ یمن کے مشہور حمیری خاندان سے تھے، غلام تھے، حضور پُر نور رحمتہ اللعالمین صلعم نے خرید کر آپ کو آزاد کر دیا تھا، اور فرمایا۔ دل چاہے تو اپنے خاندان والوں کے پاس چلے جاؤ، دل چاہے میرے ساتھ رہو۔ مگر آپ نے خدمت نبوی صلعم کی حاضری کو اہل خاندان پر ترجیح دی۔ اور زندگی بھر حضور صلعم کی خلوت وجلوت میں آپ کے ساتھ رہے۔

حضور پُر نور صلعم کے پاسِ ادب اور آپ کے ارشاد کا اسقدر لحاظ کرتے تھے کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم نے بارگاہ نبوت میں اسلام علیک یا محمد (صلعم) کہا

آپ بھی موجود تھے، چین بجبیں ہو گئے، اور اس زور سے اس یہودی عالم کو دھکا دیا کہ وہ گرتے گرتے بچا۔ اور اس نے سنبھل کر اسکا سبب پوچھا تو کہا۔

"تُو نے یا رسول اللہ (صلعم) کیوں نہ کہا"
وہ بولا۔ "اُس میں کیا گناہ تھا کہ میں نے ان کا خاندانی نام لیا"
حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"ہاں میرا خاندانی نام محمد (صلعم) ہے" [۱]
اسی طرح حضور پُرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان کی اسقدر تعمیل کرتے تھے کہ جو حکم حضور پُرنور صلعم نے دیدیا، وہ ہمیشہ اُن کی جان کے ساتھ رہا، اور ہر اُس کام سے آپ احتراز کرتے تھے، جسمیں حضور پُرنور صلعم کے عدول حکمی کا کوئی خفیف سا بھی پہلو نکلتا ہو۔
چنانچہ ایک دفعہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے فرمایا۔ "کبھی کسی سے سوال نہ کرنا"
اس حکم کے بعد عمر بھر کسی کے سامنے دست سوال دراز کرنا تو درکنار، حتیٰ کہ اگر سواری کی حالت میں کوڑا بھی ہاتھ سے

---

[۱] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۸۰-۴۸۱

گر جاتا تو خود اُتر کر اُٹھا لیتے تھے۔ مگر کسی سے سوال نہ کرتے تھے [۱]

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی

آپ کا سلسلہ نسب لوی قریشی سہمی سے ملتا ہے۔ تبلیغ اسلام کے ابتدائی زمانہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔ نشہ وحدت الٰہی میں اسقدر سرشار تھے۔ کہ

عہد فاروقی میں سوئے اتفاق سے فتوحات شام کے دنوں میں ایک معرکہ میں رومیوں نے آپ کو گرفتار کر لیا۔

رومیوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی کے سامنے اپنا مذہب پیش کرتے اور وہ انکار کرتا۔ تو اسکو ایک عظیم الجثہ تانبے کی گائے کے جوف میں جسمیں زیتون کا تیل کھولتا ہوتا تھا، ڈال دیتے چنانچہ آپ کے سامنے بھی انہوں نے اپنا مذہب پیش کر کے کہا۔ اگر تم ہمارا مذہب قبول نہ کرو گے تو تم کو اس کھولتے ہوئے

---

[۱] مسند احمد بن حنبل جلد ۵

تیل میں ڈال دیا جائیگا۔

لیکن آپ مطلق خوف زدہ نہ ہوئے، اور نہایت اطمینان سے

مذہب عیسوی قبول کرنے سے انکار کردیا،

ان جلادوں نے آپ کی عبرت پذیری کے لئے ایک دوسرے

مسلمان قیدی کو بلاکر اس کو بھی مذہب عیسویت کی دعوت

دی، اس نے بھی انکار کردیا، تو اس کو زیتون کے کھولتے

ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ وہ کشتۂ حق جل بھُن کر کباب ہوگیا۔

رومی یہ منظر دکھا کر بولے۔ اگر تم بھی ہمارا مذہب قبول نہ کروگے

تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔

لیکن جذبۂ حق اس سے زیادہ آزمائش کے لئے تیار تھا۔

آپ نے پھر انکار کردیا۔

حکم ہوا۔ جوف میں ڈال دو۔

آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ اُنھوں نے کہا

آخر ڈر کر رونے لگے ہو نا۔

فرمایا۔ میں اپنے انجام پر نہیں روتا، بلکہ اپنی کم مائیگی پہ

آنکھیں اشکبار ہیں کہ صرف ایک جان خدا کی راہ میں کام آئیگی کاش ایک جان کے بدلے میرے ہر موئے بدن میں ایک مستقل جان ہوتی، اور میں یہ سب راہ خدا میں نثار کرتا۔

آپ کی یہ قوّت ایمانی دیکھکر رومی دنگ رہ گئے۔ اور اس شرط پر رہائی دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ کہ آپ شاہ روم کی پیشانی کا بوسہ لیں۔

لیکن آپ ایسے پرستار حق کا لب ایک صلیب پرست کی بوسہ ستانی سے آلودہ نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے آپ نے اس سے بھی انکار کر دیا۔

آخر میں آپ سے کہا گیا "اگر تم اپنی ہی پیشانی کا بوسہ دیدو تو تمام مسلمان قیدی چھوڑ دیئے جائیں گے"

آپ کے لئے مسلمانوں کی جان سے زیادہ اور کونسی شئے ہو سکتی تھی، اس لئے فوراً آمادہ ہو گئے اور ایک لب سے حیلہ سے اتنی مسلمانوں کی گراں بہا جانیں بچ گئیں۔

جب آپ رومیوں کی قید سے رہائی لیکر واپس آئے

تو حضرت عمر فاروق رضؓ نے فرطِ مسرت سے آپ کی پیشانی
چوم لی۔ بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالٰی اجمعین آپ سے
مزاحاً کہا کرتے تھے کہ "تم نے ایک بے دین کو بوسہ دیا"
جواب دیا کرتے۔ "ہاں دیا لیکن اس کے بدلے میں
اتنی مسلمانوں کی جانیں بھی تو بچ گئیں" ؎۱

حضرت ابو برزہ اسلمی رضؓ

آپ کا نام نضلہ تھا۔ ابو برزہ (رضؓ) کنیت تھی۔ اسی کنیت سے مشہور ہیں۔
آپ بھی اسلام کے ابتدائی زمانے میں اسلام لائے
اور اسلام لانے کے بعد جس قدر غزوات ہوئے، آپ ان
سب میں حضور پُرنور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے
ہمرکاب رہے ؎۲

آپ میں زہد و عفاف کا رنگ بہت نمایاں تھا، نہ کبھی بیش
قیمت کپڑا پہنا، نہ کبھی گھوڑے پر سوار ہوئے، صرف گدھے

؎۱ اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ ۱۴۳ ؎۲ ابن سعد قسم اول جلد ۷ صفحہ ۴

رنگ کے دو کپڑوں سے ستر پوشی کرتے تھے۔
آپ کے ایک معاصر عائذ بن عمرؓ تھے، وہ اکثر بیش قیمت کپڑے بھی پہنتے اور گھوڑے کی سواری بھی کرتے، ایک شخص نے دونوں میں پھوٹ ڈالنے کے خیال سے عائذؓ سے آکر کہا۔ ابو برزہؓ کو دیکھئے کہ وہ لباس اور وضع قطع میں بھی آپ کی مخالفت کرتے ہیں، نہ بیش قیمت لباس پہنتے ہیں اور نہ گھوڑوں کی سواری کرتے ہیں۔
لیکن صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کی اخوت محض۔ لباس اور طرز معاشرت کے اختلاف سے نہیں ٹوٹ سکتی تھی۔ آپ نے جواب دیا۔ "خدا ابو برزہؓ پر رحم کرے، آج ہم میں ان کے مرتبہ کا کون ہے"؟
یہاں سے وہ شخص مایوس ہو کر۔ ابو برزہ رضؓ کے پاس پہنچا اور اُنسے کہا۔ عائذ رضؓ کو دیکھئے آپ کی وضع تک ان کو ناپسند ہے، سواری میں گھوڑا رکھتے ہیں، اور بیش قیمت لباس پہنتے ہیں۔

لیکن یہاں سے بھی جواب ملا کہ۔ خدا عائذ پہ رحم کرے
ہم میں اُنکا ہم رتبہ کون ہے؟ ؎۱

مسکین نوازی آپ کا روزانہ معمول تھا۔ صبح شام عموماً فقراء
و مساکین کو کھانا کھلاتے تھے۔

حسن بن حکیم اپنی ماں کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ ابو برزہ رضؓ
ایک کاسہ ثرید (عربوں کا ایک قسم کا مرغوب کھانا) صبح اور ایک
کاسہ شام کو بیواؤں یتیموں اور مساکینوں کو کھلاتے تھے ؎۲

؎۱ ابن سعد قسم اول جزو ۷ صفحہ ۳۵ ؎۲ ابن سعد جزو ۷ صفحہ ۳۵

یہی مسلمان تھے

جو سنت نبوی صلعم کی متابعت کرنیوالے خیر والقرون کے وہ مسلمان تھے جو حضور پُر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کی تعمیل میں بحر فنا کے ہلاکت خیز گرداب میں کود جانا بھی معمولی بات سمجھتے تھے۔

یہی وہ مسلمان تھے جن کے دل و دماغ حضور پُر نور صلعم کے اخلاق و اعمال کے پرتو سے اسقدر سرشار تھے کہ ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معمولی سے معمولی فعل کی تقلید کرنا۔ جزو ایمان اور دین و دنیا کی سعادت خیال کرتے تھے۔

یہی وہ مسلمان تھے جنمیں امیر بھی تھے، غریب بھی تھے، لیکن کیا مجال کہ دُنیا کے زر و مال کی رغبت فرزند و زن کی محبّت ان کے طریق عمل میں حارج ہو سکے۔

یہی وہ مسلمان تھے۔ جو دولت کے مصرف سے کما حقہٗ واقف اور اسپر باعمل تھے، ان کی نظر میں امارت و غربت میں کوئی

خاص امتیاز نہ تھا، جو مذہب و شرف انسانی میں خلل انداز ہو
یہی وہ مسلمان تھے، جو دولت کو بھی ضروریات زندگی کا ایک
ایسا ہی جزو سمجھتے تھے، جیسے کہ لباس۔ سامان زندگی و مکان
چنانچہ اگر کسی کا لباس بیش قیمت اور کسی کا نہ ہونے کے برابر
ہوتا، یا کوئی شاندار مکان میں آرام کرتا، یا مٹی کے کچے جھونپڑے
پر راتیں بسر کرتا، ایسی معاشرت میں وہ نہ کوئی خصوصیت
ہی خیال کرتے تھے اور نہ ان میں خصومت و نخوت ہی
پیدا ہوتی تھی۔

وہ اس لئے کہ جس طرح دوسری ضروریات زندگی مثلاً خوراک
لباس۔ سامان و مکان وغیرہ سے ان کو ایسی والہانہ محبت نہ
تھی۔ جو اللہ اور اس کے رسول صلعم کی اطاعت میں حائل ہو سکے
اسی طرح ان میں زر و مال کی بھی ایسی رغبت نہ تھی، نہ
زن و فرزند سے اسقدر والہانہ محبت تھی، جو خالق اکبر کی خوشنودی
و سنت نبوی صلعم کی متابعت و شرف انسانیت میں خلل انداز
ہو سکے۔

یہی وہ مسلمان تھے جن کی ہمتیں بلند اور ارادے مضبوط حوصلے وسیع تھے، وہ اپنے شاہراہِ عمل میں مصائب و مشکلات کے پہاڑ کو اپنے پائے استقلال کی ایک ہی ٹھوکر سے چکنا چور کرتے ہوئے بے خوف و خطر آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔

غرضیکہ دنیا کے تمام مصلحین کو اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ زمانہ خیر القرون کے مسلمانوں کا ہی دل گردہ تھا۔ کہ ان کے اوصاف، اطاعت الٰہی۔ توکل علی اللہ، صبر و شکر، تبلیغ اسلام جہاد، حسن خلق، حسن معاملہ۔ عدل و انصاف، جود و سخا۔ ایثار مساوات۔ تواضع۔ عزم و استقلال، شجاعت بسالت صداقت پر زر و مال کی رغبت۔ فرزند و زن کی الفت اپنا اثر نہیں ڈال سکی۔ اور ان کے قلوب۔ دنیوی نام و نمود۔ تفاخر و امارت ہرس و طمع سے پاک تھے۔

علامہ اقبال علیہ الرحمتہ نے انہی مسلمانوں کی نسبت یہ شعر کہا ہے

اب تلک یاد ہے۔ قوموں کو حکایت انکی
نقش ہے صفحۂ ہستی پہ صداقت انکی

نگاہِ مردِ مومن کی برکات | باوجود ایسے صالح و صادق مسلمانوں کے ہوتے ہوئے

حضور پُرنور ہادیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی بشریت اور آئندہ فتوحاتِ اسلام میں مالِ غنیمت کی کثرت پر اس بات کا صحیح خیال فرمایا تھا۔ کہ کہیں یہ دولت کی فراوانی مسلمانوں میں فتنہ کا باعث نہ بن جائے"۔ اور اسی خیالِ پاک سے حضور پُرنور نے دولت جمع کرنے اور دنیاوی شان و شوکت اختیار کرنے سے کئی بار اپنے صحابہ کرامؓ کو منع فرمایا تھا، اور ساتھ ہی یہ پیشنگوئی بھی فرمادی تھی۔ کہ ۔

"عنقریب ہی تم لوگ امارت پر حرص کرو گے" ؎۱

مشیتِ ایزدی یہی تھی، کہ حضور پُرنور ہادیِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ پیشین گوئی پوری ہو۔

چنانچہ خلیفہ ثالث حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہی اکثر مسلمان تکلفاتِ دنیوی میں

؎۱ بخاری شریف بروایت ابوہریرہ رضہ

الجھ چکے تھے، بلکہ اس سے بھی کچھ پہلے، جبکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ بیت المقدس کے معاہدہ صلح کیلئے تشریف لے گئے۔ ان دنوں اگرچہ زمانہ خیر القرون کی وہی سادہ معاشرت تھی خلیفہ سے لیکر ایک ادنیٰ غلام تک سنت نبوی کی ہر سنت پر نہایت سختی سے پابند تھا۔ اور اپنی ابدی زندگی کے مقابل دنیاوی زندگی کو فانی سمجھتے ہوئے دنیا کے ہر لہو لعب و تکلفات سے پرہیز کرتا تھا۔

خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں بھی وہی سادگی تھی جب مدینہ شریف سے بیت المقدس کی طرف اتنے بڑے سفر کے لئے روانہ ہوئے، اور ایسے سفر میں جسمیں دشمنوں پر اسلام کے رعب و جلال کا تقاضا تھا۔ مگر ان کے ہمراہ نہ کوئی نقارہ و نوبت تھا۔ نہ خدم و حشم۔ نہ لاؤ لشکر۔ بلکہ ایک خیمہ تک ہمراہ نہ تھا سواری میں ایک گھوڑا تھا، اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے، تاہم اس سادگی کا یہ اثر تھا کہ جہاں جہاں خبر پہنچتی کہ فاروق اعظم رض نے مدینہ سے شام جانے کا ارادہ کیا ہے۔ تو زمین دہل جاتی تھی، سرداروں کو

اطلاع پہنچ چکی تھی، کہ جابیہ میں آکر فاروق اعظم رضہ سے ملیں۔ چنانچہ یزید بن ابی سفیان۔ خالد بن ولید رضی اللہ تعالےٰ عنہم نے جابیہ میں آپ کا استقبال کیا۔ تو یہ لوگ حریر دیبا کے پر تکلف لباس میں ملبوس تھے، جو اپنی زرق برق قباؤں اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے۔

حضرت عمر فاروق رضہ ان کی یہ حالت دیکھکر اسقدر برہم ہوئے کہ گھوڑے سے اتر کر آپ نے زمین پر سے سنگریزے اٹھا کر ان کی طرف پھینکتے ہوئے فرمایا۔

"تعجب ہے کہ تم نے اسقدر جلدی عجمی عادتیں اختیار کر لیں"

لیکن جب انہوں نے اپنی قباؤں کے نیچے اپنے ہتھیار دکھاتے ہوئے کہا۔ "مگر سپہ سالاری کا جوہر ہاتھ سے نہیں دیا"

تو عمر فاروق رضہ نے فرمایا۔ "خیر پھر کچھ مضائقہ نہیں"، اس واقعہ سے کہا جا سکتا ہے، کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ اپنے عہد خلافت میں ملک شام کے رومیوں کے دنیوی تکلفات کو نہ مٹا سکے تھے۔

مگر عہد خلافت عثمانی رضؓ میں تو ملکی فتوحات کی کثرت کے ساتھ
جبکہ مال غنیمت کی فراوانی بھی ہو چکی تھی، تو اسی شامی اثر سے
مقدس اسلام کی معاشرتی سادگی تکلفات دنیوی میں جذب
ہونے لگی۔ اکثر مسلمانوں نے عیش و امارت کی نقش آرائیاں شروع
کر دیں، دولت و ثروت نے خزانوں کی صورت اختیار کر لی
ہر جگہ قصر و ایوان بننے لگے، پر تکلف زرق برق لباس پہنے جانے
لگے۔ مسلمانوں کے اسی انقلاب معاشرت، یا انقلاب تمدن
اسلام پر یا سنت نبوی میں سادہ زندگی کے سادہ طرز عمل کی
تقلید ترک کرنے، اور دنیا سے بے رغبتی کرنے کے برخلاف
حب وجاہ سے رغبت، اور زر و مال و فرزند و زن سے محبت کرنے
کے خلاف جس مرد مومن کی پہلی نگاہ پڑی، اور جس نے سب سے پہلے
اس کے خلاف آواز بلند کی، وہ حضور پر نور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے محبوب صحابی ابوذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ تھے۔
حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بعض تو ان کے
وہ اصحاب تھے، جنہوں نے دین و دنیا دونوں میں کمال

حاصل کیا تھا، بعض وہ تھے جنہوں نے آخرت کو دنیا پر ترجیح دیتے ہوئے دنیا کے ہر لہو لعب سے منہ موڑ لیا تھا۔

چنانچہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہی صحابہ میں مخصوص و محبوب تھے جن پر سیرت نبوی کا گہرا اثر پڑ چکا تھا۔

آپ زہد و تقویٰ، راستبازی، توکل و قناعت میں ممتاز تھے اس وقت جبکہ مدینہ طیبہ میں قیصر و کسریٰ کے خزانے لدے چلے آتے تھے، آپ کی نظر میں یہ زر و جواہر کے ڈھیر کنکروں اور پتھروں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے۔

عہد خلافت عثمانی میں جب آپ کا وظیفہ چار ہزار مقرر ہوا۔ تو جس وقت یہ وظیفہ آپ کے پاس آتا تو اپنے خادم کو بلاتے اور ایک سال کے اخراجات کا اندازہ لگا کر ضروریات زندگی کی چیزوں پر جو رقم خرچ ہوتی وہ رکھ لیتے، اور باقی تمام رقم مساکین میں تقسیم فرما دیتے۔

اکثر فرمایا کرتے۔ کہ جو شخص سونا چاندی تھیلیوں میں محفوظ رکھتا ہے، وہ گویا انگارے رکھتا ہے جا[1]

---

[1] ابن سعد جزو ۲ م صفحہ ۱۶۹

ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا یہ مسلک ان کے محبوب حضور پُرنور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد و تلقین پر مبنی تھا، وہ ہرگز اس بات کو پسند نہ کرتے تھے کہ مسلمان حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادہ زندگی کی تقلید کرنیکے خلاف روم و شام کے پُر تکلف تمدن کی تقلید کرتے ہوئے نہ دنیاوی تکلفات اختیار کریں اور نہ دنیا کا زر و مال ہی جمع کریں، کیونکہ ان کو حضور پُرنور صلعم کی اِس حدیث پر کامل یقین تھا کہ "دنیا کا زر و مال فرزند و زن کی محبت فتنہ کا باعث ہے"

اس فرمان نبویؐ پر خود سختی سے پابند تھے، اور چاہتے تھے کہ تمام مسلمان حضور پُرنور صلعم کے اس ارشاد پر عمل کریں۔

چنانچہ ابو موسیٰ اشعریؓ (جو بڑے مرتبہ کے صحابی تھے) جب عراق کی گورنری کے بعد آپ سے ملے تو قدیم تعلقات کی بناء محبت پر ابوذر رضؓ سے چمٹ گئے۔

مگر آپ نے کہا "پیچھے رہو" ابو موسیٰؓ بھائی بھائی کہکر لپکتے

تھے، اور آپ یہ کہہ کر کہ تم اس عہدہ کے بعد میرے بھائی نہیں رہے۔ اپنے سے الگ کرتے تھے۔

ایک دفعہ پھر ابو موسیٰ اشعری رضؓ آپ سے ملے، ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پھر وہی جواب تھا۔ ابھی دور رہو۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم لوگوں کے عامل بنائے گئے ہو؟

ابو موسیٰ نے جواب دیا "ہاں"۔

پوچھا "تم نے بڑی عمارت تو نہیں بنائی۔ زراعت تو نہیں کرتے گلے تو نہیں رکھتے"؟

انہوں نے کہا "نہیں"۔

فرمایا۔ "اب تم میرے بھائی ہو" ۱؎

ابی اسما رحبی سے روایت ہے کہ ایک روز میں ابو ذر غفاری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے پاس گیا، ان کی بیوی کو سخت خستہ حال میں دیکھا۔

مجھ سے فرمانے لگے کہ یہ عورت مجھ سے کہتی ہے کہ عراق جاؤ۔ اگر

۱؎ ابن سعد جزء دوم صفحہ ۱۶۹۔

میں عراق جاؤں، تو عراق والے میرے سامنے دنیا پیش کرینگے اور میرے حبیب (آنحضرت صلعم) نے مجھے فرمایا ہے۔ کہ

جہنم کے پل کے سامنے پاؤں پھسلانیوالا راستہ ہے اور

تم لوگوں کو اس پر سے گذرنا ہے اس لئے بوجھ (دنیاوی

حب و رغبت مال و منال کے بوجھ سے) کی گرانباری سے

ہلکا رہنا چاہیئے۔ ط۱

غرضیکہ ابوذر غفاری رضی اللہ تعالٰے کے متوکلانہ مسلک کا تقاضہ تھا کہ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں ہے کہ دوسروں کو بھوکا اور ننگا دیکھے اور اپنے لئے دولت کا خزانہ جمع کرے۔

برخلاف اسکے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالٰے عنہ و دیگر امرائے شام یہ سمجھتے تھے کہ خدا نے اہل دول پر زکوٰۃ کا جو فرض عائد کیا ہے، اس کے ادا کرنے کے بعد ہر قسم کی دولت جمع کرنیکا مسلمانوں کو اختیار ہے۔

اس اختلاف نے بڑھتے بڑھتے تنازع کی صورت اختیار کر لی

ط۱ ابن سعد جزو ۴ صفحہ ۱۷۴ -

حضرت ابوذر غفاریؓ نہایت بے باکی سے امیر معاویہ رضؓ اور ان کے دیگر امراء پر اعتراضات کرتے اور ان کے دنیوی طمطراق دولت چشمت پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ بلکہ ان کے زائد از ضرورت خزانوں کے جمع کر لینے پر ان کو قرآن پاک کی اس آیت کا مورد ٹھہراتے تھے۔

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسکو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے۔ ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو (قرآن الحکیم سورہ توبہ)

چونکہ اس آیت سے قبل یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے۔ اس لئے امیر معاویہؓ یہ کہتے تھے کہ اس آیت کا تعلق بھی انہی لوگوں سے ہے،

مگر حضرت ابوذر غفاریؓ اس حکم الٰہی کو مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں سے وابستہ سمجھتے تھے۔

ایک اختلاف تو یہ تھا۔ دوسرا اختلاف یہ بھی تھا کہ خدا کی راہ میں نہ صرف کرنے کا مطلب ابوذر غفاریؓ یہ سمجھتے تھے

کہ وہ اپنا کل مال راہ خدا میں نہیں دیتے تھے۔

مگر امیر معاویہؓ وغیرہ کا یہ خیال تھا کہ یہ حکم صرف زکوٰۃ کے متعلق ہے۔

انہی ہر دو اختلافات کے باعث ابو ذر غفاریؓ نے جب بڑی سختی سے طعن و تشنیع شروع کر دی۔ تو امیر معاویہؓ نے اس خیال سے کہ کہیں شام میں کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ تعالےٰ عنہ کو اس صورت حال کی اطلاع دیکر کہلا بھیجا۔ کہ ابو ذر رضؓ کو مدینہ شریف میں بلا لیا جائے۔"

چنانچہ حضرت عثمانؓ نے آپ کو مدینہ میں بلا لیا۔ اور آپ سے فرمایا۔ کہ آپ میرے پاس رہیئے، دودھ پلانیوالی اونٹنیاں صبح شام حاضر کی جائیں گی۔

لیکن آپ نے جواب دیا۔ کہ

مجھکو تمہاری دنیا کی مطلق ضرورت نہیں۔ یہ کہکر یا تو خود ربذہ (مدینہ شریف کے قریب ایک گاؤں) میں چلے گئے۔ یا حضرت عثمانؓ نے آپ کو ربذہ میں بھیجدیا۔

ربذہ والوں نے آپ کی بڑی عزت کی۔ بنو ثعلبہ کے شیخ اور ان کی بیوی نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے نہلایا۔

عراقیوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس شخص (یعنی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے آپ کے ساتھ ناروا سلوک فرمایا ہے۔ اگر آپ انکے خلاف علم بلند کریں۔ تو ہم لوگ آپ کی حمایت پر تیار ہیں، آپ نے فرمایا مسلمانوں۔ اس معاملہ میں تم دخل نہ دو، اپنے حاکم کو ذلیل نہ کرو، کیونکہ جس نے اپنے حاکم کو ذلیل کیا۔ اسکی توبہ قبول نہیں ہو سکتی اگر حضرت عثمانؓ مجھکو سولی پر بھی چڑھا دیتے تو مجھکو عذر نہ ہوتا اور میں اسی میں اپنی بھلائی سمجھتا۔

اگر وہ ربذہ کی بجائے ایک افق سے دوسرے افق یا مشرق سے مغرب میں مجھے بھیج دیتے، جب بھی اپنا سر تسلیم خم کرتا۔ اور اسی میں اپنی بھلائی خیال کرتا، اور اگر وہ کہیں نہ بھیجتے۔ اور مجھکو میری قیام گاہ میں لوٹا دیتے۔ تو بھی مجھکو کوئی عذر نہ ہوتا اور اس میں بھی اپنی نجات سمجھتا ۔ (ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۶۶)

——— اے مسلمانوں اگر تمہارا قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان ہے تو قرآن شریف کا مطالعہ کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مواعظ حسنہ میں دنیا سے بے رغبتی اور گذشتہ افراد کی حالت پر تنبیہۃً تقریباً ایکسو پچاس آیات اپنے حبیب پاک پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام پر نازل فرمائی ہیں جن میں سے چند آیات کا ترجمہ یہ ہے -

(۱) تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے (سورہ تغابن پارہ ۲۸)

(۲) اللہ کے ہاں نہ ان کے مال ہی کچھ کام آئیں گے ۔ نہ انکی اولاد (سورہ آل عمران پارہ ۳ رکوع ۷)

(۳) یہ دنیا کی زندگی تو بس لہو لعب (کھیل تماشہ ہے)
(سورہ محمد پارہ ۲۶ رکوع ۴)

(۴) ایسا نہ ہو کہ دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں ڈالے ہے
(سورہ الفاطر پارہ ۲۲ رکوع ۱)

(۵) دنیاوی زندگی کے دھوکہ میں نہ آجانا (سورہ لقمٰن پارہ ۲۱ رکوع ۴)

(۶) دنیا کے فائدے نہایت ہی قلیل ہیں (سورہ النسا پارہ ۵ رکوع ۱)

انہی احکامات الٰہی کی متابعت میں حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ
والسلام نے دولت کے بیجا مصرف کی ممانعت فرماتے ہوئے
بندۂ زر کو جہنم کے ایندھن سے اور امارت کے مقابل غربت کو
عملاً ترجیح دی تھی، اور اپنے صحابہ کرامؓ کو سمجھا دیا تھا۔ کہ وہ امارت
و تکلفات سے قطع نظر کر کے قناعت کی زندگی بسر کریں، دُنیا
کا مال کسی کا نہیں، اپنا مال وہی ہے جو راہ حق میں خرچ کیا جائے
ان تمام ارشادات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ گذشتہ صفحات
میں حضورؐ کے اسوہ حسنہ میں "امارت پسندی سے اجتناب"
کے عنوان کے ماتحت پڑھ چکے ہیں۔ لہٰذا ان احکامات الٰہی و ارشادات
نبویؐ کو ذہن میں رکھتے ہوئے اور انصاف کو مدنظر رکھتے
ہوئے سوچئے۔ کہ

اس مرد مومن کی نگاہ میں کیا تھا؟ بذات خود تو وہ زاہد
بے ریا تھے، انہیں نہ حکومت کی غرض تھی، نہ کسی امارت کی پرواہ
ان کی نگاہ میں اپنے محبوب ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
اُسوہ حسنہ تھا، وہ جو کچھ کہہ رہے تھے اپنے محبوب پیغمبر اسلام

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسوۂ حسنہ وارشادات کے مطابق کہہ رہے تھے، اور بالکل سچ کہہ رہے تھے، لیکن کسی نے ان کی بات نہ سنی، بلکہ برعکس اس کے خدا اور اس کے رسولؐ کے احکامات کی ایسی تاویلات کیں۔ جو دنیا میں فتنہ وفساد میں مبتلا ہونے کا سبب بن گئیں۔

چنانچہ خلیفہ ثالثؓ کے عہد سے ہی مسلمان اس فتنہ میں ایسے مبتلا ہوئے کہ باوجود مسلمان ہونے کے ان کے ہاتھ سے خلفائے اسلام حضرت عمر فاروق رضہ حضرت عثمانؓ حضرت علی رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین اور ان کے فرزندان محترم امام حسن و امام حسین علیہما السلام شہید ہوئے، بلکہ اسوقت سے اب تک مسلمان اسی فتنہ (مال وزر۔ فرزند وزن) کی محبت میں مبتلا ہیں۔ اور نہ جانے ابھی کب تک رہیں گے۔

غرضیکہ یہ تو ہے میرے پہلے زعم کا وہ حصہ جو نگاہِ مردِ مومن (حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالےٰ عنہ) سے وابستہ ہے جس کا نہایت مختصر ماحصل یہ ہے۔

کہ ۔۔۔ مسز مانہ خیر والقرون کے صالح و صادق مسلمانوں کی صف

اوّل سے پیچھے ہٹنے کا باعث زر و مال کی رغبت۔ فرزند

زن کی محبت اور دنیوی تکلفات و لذات کے حصول سے

وابستگی ہے"

حبِ دُنیا از خدا غافل بدن

اب یہ دوسرا حصہ ہم نام کے مسلمانوں کے متعلق ہے، جس کی

نسبت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کا یہ شعر ہے ؎

ہر کوئی مست مئے ذوقِ تن آسانی ہے

حیدری فقر ہے ۔ نے دولتِ عثمانی ہے

اگرچہ ہم ایسے نام کے مسلمانوں کو قعرِ ذلت سے نکال کر دوبارہ زمانہ

خیر والقرون کے مسلمان کی صفِ اول میں کھڑا کرنے کا سبب و

علاج بھی اسی گذشتہ حصہ سے وابستہ ہے۔ تاہم اس کی

ذرا تفصیل کی اجازت چاہتا ہوں ۔

میرے ناچیز خیال میں مسلمانوں کے تنزل، یا زوالِ اُمّت کا

کا باعث ۔ جان کا خوف اور مال و اولاد کی محبت ہے۔"

جان کا خوف اور اولاد کی محبت کا باعث بھی در اصل مال و دولت سے ہی وابستہ ہے، اس لئے مجھے اسکی ذرا تشریح کرنیکی اجازت دیجئے کہ باوجود اس نعمت کی پیغمبر اسلام علیہ السلام نے نہ صرف ممانعت فرمائی، بلکہ اپنے صحابہ کرام کو بھی مال و زر سے اجتناب کرنے کی عملاً تلقین فرمائی۔

سمجھنے کی بات ہے، اس سے پہلے شاید آپ کو کسی نے نہ سمجھایا ہو، یا اب تک آپ ہی نہ سمجھ سکے ہوں۔

جبکہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اسوۂ حسنہ ہی شریعت اسلام اور آپ کا خلق عظیم ہی قرآن ہے۔ تو شریعت اسلام میں خدا کی نعمت اور مسلمان (خواہ وہ کتنا ہی گنہگار ہو) کی ذات کسطرح حقیر و ذلیل ہو سکتی ہے ؟

بات در اصل یہ ہے کہ جس طرح ہر مسلمان عمارت اسلام کی ایک ایک اینٹ اور باہم ایک دوسرے کا بھائی ہے، اسیطرح خدا کا بخشا ہوا زر و مال بھی خدا کی نعمت ہے۔"

البتہ جو مسلمان جن گناہوں میں مبتلا ہو، اس کے وہ گناہ بیشک قابل نفرت ہیں نہ کہ مسلمان ؟

یہی تمثیل زر و مال کی بھی ہے، مال و زر کا حصول قابل ملامت نہیں، بلکہ محبت باعث مذمت ہے۔

پس اسلام نے دولت جمع کرنے کو ناجائز قرار نہیں دیا۔ بلکہ ایک تو اسکا مصرف قابل مواخذہ ہے، دوسرے زیادہ تر دولت کی خواہش چونکہ خدا اور اُس کے رسول کی محبت، ایمان شرف انسانی مقصد زندگی اور حق انسانی کو قطع کرنیوالی ہے، اس لئے اس کی مذمت کی گئی ہے، اسی بنا پر نہ صرف رسول مقبول اور اُن کے صحابہ کرام نے خود زر و مال جمع کرنے سے بڑی سختی سے اجتناب کیا ہے، بلکہ اپنے دیگر ہم عصر صحابہؓ کو بھی زر و مال جمع کرنے سے اپنے جس جذبۂ محبت سے تلقین کی ہے، اسکا ایک واقعہ سُنئیے۔

فاروق اعظم اور معاذ بن جبل رضؓ

حضرت معاذ بن جبل پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلیل القدر صحابی تھے آپ اسقدر فیاض تھے کہ قرض لیکر بھی خوب خرچ کرتے تھے حتیٰ کہ آپ کی تمام جائداد قرضخواہوں میں تقسیم ہو گئی۔ اور آپ مفلس و قلاش ہو گئے۔ آج کے زمانہ میں اگر کوئی صاحبِ دل اپنا تمام زر و مال زمین و جائداد فیاضی و سخاوت میں خرچ کر دے تو لوگ اسپر انگلیاں اٹھاتے ہوئے یہ ضرور کہیں گے۔ کہ یہ ہے وہ ناعاقبت اندیش جس نے اپنی تمام دولت اڑادی اب اس فیاضی کا نتیجہ بھگت رہا ہے، لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فیاض معاذ بنؓ کی مفلسی پر فرمایا۔

"گھبراؤ نہیں، خداوند کریم بہت جلد اسکی تلافی کر دیگا"

چنانچہ ایسا ہی ہوا، فتح مکہ کے بعد ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ کو یمن کے لئے منتخب فرمایا، حضرت معاذؓ کی حکومت یمن میں دو برس رہی، اس مدت میں آپ نے بیت المال کے روپیہ سے تجارت کی، اسکا جو منافع حاصل ہوا۔ اس سے

اپنا قرض ادا کیا۔ اس کے ماسوا ہدیہ کی رقوم بھی (پیغمبر اسلام علیہ السلام) کی اجازت کے مطابق قبول کی تھی۔ چنانچہ ۱۱ھ میں پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات حسرت آیات کے بعد اپنی مرضی سے یمن سے واپس ہوئے تو آپ کے پاس کافی زرو مال کے علاوہ بہ داس ہمراہ تھیں۔

اسوقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین تھے،

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ کو جب معاذ رضہ کے آنے اور اسقدر زرو مال ہمراہ لانے کی خبر ہوئی تو اسی وقت خلیفہ اول صدیق اکبر رضہ کے پاس آئے، اور ان کو یہ مشورہ دیا کہ معاذ کے گذر اوقات کے لئے کچھ روپیہ علیحدہ کر کے باقی تمام مال ومتاع لیکر بیت المال میں جمع کرادیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضؓ نے فرمایا۔ کہ

معاذ کو تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تھا، میں ان کا مال ان کی مرضی کے بغیر ان سے نہیں لے سکتا۔

ہاں اگر وہ اپنی مرضی سے بیت المال میں جمع کرا دیں تو لے
لوں گا، ورنہ ایک حبّہ تک نہ لوں گا حضرت عمر فاروق رض
خلیفہ اول کا یہ صاف جواب پا کر بھی صبر نہ کر سکے بغض و عناد
کا جذبہ ہوتا تو اپنا سامنہ لیکر خاموش ہو جاتے، لیکن وہ تو اپنے
قلب منوّر کی طرح اپنے ایک ہمعصر صحابی کا دل بھی خدا اور
اس کے رسولؐ کی محبت سے روشن دیکھنے کے خواہاں تھے۔
ابوبکر صدیق رض کا یہ جواب صاف پا کر بھی خود حضرت معاذؓ کے
کے پاس پہنچے، اور ان سے بھی اپنا یہی خیال ظاہر کیا کہ میں
چاہتا ہوں کہ آپ اپنی گذر اوقات کے لئے کچھ مال اپنے پاس
رکھ کر باقی تمام مال و منال بیت المال میں جمع کرا دیں، لیکن
اُنہوں نے کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صرف اسی لئے یمن
کی امارت پر مقرر فرمایا تھا کہ میں اپنا نقصان پورا کر لوں لہذا
میں تو ایک حبہ واپس نہ دوں گا۔

فاروق اعظمؓ آپ کا یہ جواب سن کر اگرچہ خاموش ہو کر

واپس چلے آئے، لیکن جذبہ صادق کے مطابق اپنے خیال پر قائم تھے۔

جذبہ صداقت میں کشش ہوا کرتی ہے، بقول کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ فاروق اعظم رضہ کے اس جذبہ صادق کی بھی تائید غیبی نے موافقت کی۔ حضرت معاذ رضہ نے خواب میں دیکھا کہ وہ پانی کے ایک بھنور میں غرق ہونے کو تھے کہ حضرت عمر فاروق رضہ نے ان کو بچا لیا۔

یہ خواب دیکھ کر صبح اٹھتے ہی حضرت عمر رضہ کے پاس پہنچے اور ان سے اپنا خواب بیان کر کے کہا، جو تم نے کہا تھا وہ مجھے منظور ہے۔

فاروق اعظم رض نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آپ خلیفہ اوّل صدیق اکبر رضہ کے پاس جائیے۔

چنانچہ حضرت معاذ رضہ وہاں سے حضرت عمر فاروق رضہ کے ہمراہ حضرت ابو بکر صدیق رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے بھی خواب کی تمام کیفیت سنا کر قسم کھا کر کہا۔ کہ

میرے پاس جتنا زرومال ہے، سب لائے دیتا ہوں۔
لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے آپ سے کہا۔ کہ
میں آپ سے کچھ نہ لوں گا۔

اس جواب پر بھی حضرت معاذؓ نے پھر کہا۔ اب میں اپنی
خوشی سے اپنا تمام زرومال بیت المال میں جمع کراتا ہوں
آپ کی اس خواہش پر بھی خلیفہ اولؓ نے فرمایا نہیں
میں تم سے کچھ نہ لوں گا، میں نے تم کو یہ مال ہبہ کر دیا۔"
معاذ نے اسپر بھی ابھی اتنا ہی کہا تھا۔ کہ مجھے اسکی
پرواہ نہیں، لیکن حضرت فاروق رضؓ نے معاذؓ کی بات کاٹتے
ہوئے فرمایا۔

"بس معاذ۔ بس۔ اب تم اپنا یہ زرومال اپنے ہی پاس رکھو
جبکہ تمہیں اجازت بھی مل گئی ہے۔"

یہ واقعہ کتب احادیث میں درج ہے، اور اس کی صداقت
میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں۔ لیکن بہت کم لوگوں کو اس
واقعہ کی روح کا علم ہوگا۔ ممکن ہے کہ آپ بھی اس کی روح

کو نہ پا سکے ہوں، اس واقعہ کی روح دولت کی مذمت اور محبت سے وابستہ ہے، عمر فاروق رضؓ کے دل میں اپنے دوست معاذ کے زرو مال جمع کرنے سے یہ خیال پیدا ہوا تھا۔ کہ کہیں یہ زرومال کی محبت میرے دوست معاذ کی محبت خدا اور رسول میں خلل انداز نہ ہو جائے، اس لئے انہوں نے خلیفہ اول سے معاذؓ کا زرومال بیت المال میں جمع کرنیکا مشورہ دیا، جب انہوں نے نہ مانا تو خود معاذ کے پاس پہنچے، انہوں نے بھی نہ مانا۔ تو آپ کے اس جذبۂ صادق کی موافقت تائید غیبی نے کی۔

اس تائید غیبی پہ جب حضرت معاذ تسلیم خم کر کے اپنا تمام مال و متال بیت المال میں جمع کرانے کے خواہاں ہوئے جب عمر فاروق رضؓ نے دیکھا کہ اب معاذؓ کے دل میں اس زرومال کی کچھ حقیقت نہیں رہی یعنی خلیفہ اول رضؓ کے ہبہ کر دینے پر بھی معاذ کو اپنے مال و متال کی پرواہ نہیں رہی تو آپ نے جوشِ مسرت میں معاذؓ سے فرمایا۔

"بس معاذ بس۔ اب اپنا یہ مال و متاع لے جاؤ"

(یعنی اب معاذ کی نظر میں زر و جواہر۔ پتھر اور کنکر کے برابر ہیں)

دین و دنیا گذشتہ صفحات کے مطالعہ کا ماحصل یہ ہونا چاہیئے۔ کہ

دنیا کا زر و مال، فرزند و زن کی محبت۔ ثروت۔ امارت۔ شان و شوکت، چونکہ خدا اور اس کے رسول صلعم کی متابعت و دیگر شرف انسانی میں خلل اندازی کا باعث ہے اسلئے خدا اور رسول صلعم نے اس حب دنیا و محبت اولاد کو فتنہ سے تعبیر کیا ہے،

اور اس فتنہ سے بچنے کے لئے ہی حضور پُرنور صلعم اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالے اجمعین نے غنا پر فقر کو ترجیح دی ہے جس کے عملی نمونے آپ مطالعہ فرما چکے ہیں۔

برخلاف اس کے اگر دنیا کا زر و مال فرزند و زن کی محبت وغیرہ

خدا اور اس کے رسول صلعم کی متابعت و دیگر شرف انسانی میں
خلل انداز نہ ہو تو شرع اسلام میں نہ زر و مال کی فراوانی اور
عیش تنعم کی ممانعت ہے اور نہ اس کے مباح کرنے کیلئے
احکامات الٰہی و ارشادات نبویؐ میں کسی قسم کی تاویلات کرنے کی
ضرورت ہے۔

خدا مغفرت کرے مولانا روم علیہ الرحمتہ کو جنہوں نے اپنے
اس شعر میں ؎

چیست دُنیا از خدا غافل بدن
نے قماش و نقرہ فرزند و زن

میں دین و دُنیا کی شرح کر دی ہے، لیکن ان کی اس
تشریح میں ایک لطیف نکتہ ہے۔ اور وہی نکتہ اس شعر
کی ضد ہے۔

یعنی خدا سے غافل کرنیوالی چیز دنیا ہے، اور دنیا کہتے ہی
حب دنیا کو ہیں نہ کہ زر و مال فرزند و زن کو۔ البتہ فطری ضروریات
کے لئے ان چیزوں کی ضرورت ہے، لیکن ان ضروریات

زندگی کے عشق میں اسقدر محو نہ ہونا چاہیئے۔ جو خدا اور اسکے رسول صلعم کی اطاعت، وخدمت خلق سے انسان کو غافل کردے اتنی سیدھی اور صاف بات میں کسی تاویل کی ضرورت ہی نہیں ہو سکتی، ہاں خواہشات نفس کی پیروی میں دولت کو جمع کرنے کی نسبت اگر تاویل کی جائے گی، تو یقیناً ایسی تاویل خدا اور اسکے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا موجب ہی نہیں بلکہ دنیا میں فتنہ و فساد میں مبتلا ہونیکا باعث بھی ہو گی۔

اب رہیں قومی ضروریات۔ مآل اندیشی مصلحت کوشی وغیرہ وغیرہ۔ یہ پلیش بندیاں اجتماعی حیثیت سے جائز ہو سکتی ہیں اور ان میں سے بعض ضروری ہیں۔ ایسی ضروریات کے لحاظ سے زکوٰۃ صدقہ خیرات بیت المال وغیرہ اور ان کے معارف کی نسبت احکامات الٰہی وارشادات نبویؐ ہیں۔ جو آئندہ صفحات میں درج ہیں، ان اجتماعی قوانین اسلام سے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ حضور پرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام

کے اِن ارشادات پہ کچھ عرض کر دیا جائے، جن کی تعمیل کا حق ہر مسلمان پہ پہنچتا ہے، اور افسوس سے یہ عرض کرنا پڑتا ہے، کہ ہمارے ہادی اعظم کا یہ حق امت مسلمہ کی تاویلات میں گم ہو گیا ہے۔

مجھے اِس بات کا احساس ہی نہیں بلکہ ندامت بھی ہے کہ مجھ ایسے کم مایہ بے علم و عمل کا، ہزار ہا جید علما و صوفیان عظام کی موجودگی میں اسپر کچھ عرض کرنا نہ صرف حقیقتاً تنقید کرنے کے مترادف ہے، بلکہ یہ میری بہت بڑی جراءت ہے جس کے لئے میں تہہ دل عقیدتمندی سے بارگاہ الٰہی میں عفو کا خواستگار ہوں، وہ اسلئے کہ اس سے قبل جو کچھ میں نے لکھا ہے، اسکا ایک ایک حرف اسلام اور تاریخ اِسلام سے وابستہ ہے، اور اب جو کچھ عرض کروں گا، وہ میرے عقلی استدلال پہ مبنی ہو گا۔

ہماری نماز بحیثیت انسان ہر انسان کو فطرتاً اپنی اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات زندگی یعنی خورد ونوش، لباس مکان وغیرہ کے لئے زر ومال کی ضرورت ہے، اور زر ومال محنت و مشقت سے ہی حاصل ہوتا ہے، لہذا ضروری اخراجات زندگی کے لئے قناعت پسندی سے جسقدر زر ومال خرچ ہو سکتا ہے وہ جائز ہے۔ باقی تمام زر ومال جو نفسانی خواہشات و دنیوی تکلفات کے لئے خرچ کیا جائے وہ نہ صرف دنیوی لہو لعب میں شامل ہے، بلکہ اسلامی نکتہ خیال کے مطابق اسراف ہے اس حقیقت پر اگرچہ کسی عقلی استدلال کی ضرورت نہیں تاہم انسان کے اوصاف اخلاص و ایثار کے مقابل خود غرضی اور حرص کا موازنہ کر دینا بھی ضروری ہے۔

فانی دنیا میں چند روزہ زندگی کیلئے محض اپنی آسائش دنیوی وجاہت حاصل کرنے کے لئے روپیہ جمع کرنا خود غرضی ہے کیونکہ جو ایسا کرتا ہے وہ صرف اپنی ذات کے لئے کرتا ہے اور اپنی ذاتی آسائش و وجاہت کو دیگر مخلوق خدا سے کوئی تعلق

نہیں ہوتا، بلکہ اگر اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کر دیا جائے تو
بیجا نہ ہو گا کہ بعض اوقات یہ خود غرضی اور حرص جمع دولت گنا°
لے لذت ثابت ہوتی ہے یعنی جمع کیا ہوا مال نہ جمع کرنیوالے
کے کام آتا ہے، نہ اس کی اولاد و دیگر ورثا ہی اس سے
مستفید ہو سکتے ہیں، بلکہ یا تو کسی غیر کے قبضہ میں چلا جاتا ہے یا
برباد ہو جاتا ہے، جیسے کہ گذشتہ فسادات میں لاکھوں بلکہ کروڑوں
روپے کا زر و مال ہندوستان و پاکستان میں برباد ہو چکا ہے
اگر اب بھی کسی کے پاس زر و مال جمع ہے، اور جو خرچ
کرنے کی بجائے اس میں اور جمع کیا جاتا ہے، تو اسکا یہ مال
کنکر اور پتھر کے برابر ہے ۔

بعض لوگ اولاد کے لئے زر و مال جمع کرتے ہیں۔ شاید اسلئے
کہ انکی اولاد زندگی کی جد و جہد میں حصّہ نہ لے سکے، بلکہ باپ
دادا کی جمع شدہ دولت ان کی متاہلانہ زندگی کی مدد و معاون بن
سکے۔ کیونکہ وہ یہ نہیں جانتے۔ کہ ہر شخص جو اپنی جد و جہد سے
روپیہ پیدا کر سکتا ہے۔ اسے اپنے والدین کے ورثہ کی پرواہ

نہیں ہوسکتی، اور جو اولاد اس قابل نہ ہو۔ بلکہ مسرف ہو، اسکے لئے والدین کا ورثہ مزید اسراف اور فتنہ کا باعث ہو سکتا ہے اور مرحوم والدین کیلئے مزید دنیاوی گناہوں کا موجب بھی۔

اس سے تو کہیں یہ بہتر ہے کہ ایسے بے لذت گناہ یعنی نااہل اور مسرف اولاد کے لئے زر و مال جمع کرنے کے مقابل اپنے اثاثہ کو جیتے جی خود خرچ کر لیا جائے۔ اس طرح شاید کچھ مال غریب الحال مخلوق خدا کے مصرف میں بھی آسکے، جو مغفرت کا باعث بن سکے۔

اور اگر کسی مسلمان کے دل میں خدا اور رسول صلعم کی خوشنودی اور اپنی عاقبت کی بہتری کا احساس ہے۔ تو وہ اپنا یہ جمع کیا ہوا مال راہ خدا میں وقف کر کے بجائے اس گناہ بے لذت کے ثواب عظیم بھی حاصل کر سکتا ہے۔

اکثر لوگوں کو روپیہ جمع کرنیکی دھن ہے۔ اور وہ اس حرص دولت کی دُھن میں اپنی راحت۔ آسائش۔ لذت نفس و دنیوی شان و شوکت سے محروم رہ کر بھی دولت جمع کرتے رہتے ہیں

بعض ایسے ہیں جو دنیاوی عیش و عشرت میں لہو ولعب و اسراف کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اسلامی نکتہ نگاہ سے دولت جمع کرنیوالا نیادہ زرہے۔ اور دنیاوی لہو لعب میں روپیہ خرچ کرنیوالا مسرف۔

میرے عقلی استدلال کے مطابق بندہ زر سے مسرف کہیں بہتر ہے ۔ وہ اس لئے کہ ایسے مسرف عیاش کو صرف اپنی لذت نفسی یا اپنے کسی ایک عیب میں مبتلا ہو نیکے دیگر مخلوق خدا کے ساتھ ظلم و ستم مکر و فریب وغیرہ کرنیکی نوبت ہی نہیں آتی، بلکہ بعض اوقات ایسے ہی عیاش و معیوب کسی مرد مومن کی ایک ہی نظر سے نہ صرف نیک سیرت بلکہ درجہ معرفت حاصل کر جاتے ہیں، یہ تعجب کی بات نہیں۔ بلکہ اکثر ایسا ہوا ہے۔ اور اس کی وجہ خاص یہی ہے کہ ایسے مسرف عیاش لوگوں کے قلب میں کسی ایک ہی خاص عیب کے ماسوا نہ زر و مال کی والہانہ محبت ہوتی ہے۔ نہ بیوی بچوں کی۔ نہ حصول دنیا کی خواہش ہوتی ہے۔ نہ آزار خلق

کی، اس لئے کسی صاحب نظر کے لئے ایسے قلب کا صاف کر دینا آسان ہے بہ نسبت ایسے دنیا دار کے جس کا قلب دنیا کی ہزاروں خواہشوں سے آلودہ ہو۔

برخلاف اس کے بندہ زر کو دولت جمع کرنے کی والہانہ محبت میں نہ فرائض الٰہی کا احساس رہتا ہے نہ حقوق العباد کا۔

بظاہر میرے ساتھی کروڑوں مسلمان اگر بندۂ زر نہیں تو دنیا دار تو ضرور ہیں، جو یقیناً دین کو دنیا پر مقدم سمجھتے اور کہنے پر بھی دنیا کو دین پر عملاً مقدم سمجھتے ہیں۔ ایسے کروڑوں دین داروں میں عالم بھی ہیں اور جاہل بھی۔ امام بھی ہیں اور مقتدی بھی۔ نام کے مسلمان بھی ہیں۔ اور ارکان اسلام کے پابند بھی۔ لیکن نہ ہماری نمازوں میں خشوع خضوع حاصل ہوتا ہے اور نہ دیگر عبادات میں فلاح و خیر و برکت ہی حاصل ہوتی ہے۔ اسلام میں نماز کو معراج المومنین سے، روزہ کو صبر و ضبط سے تشبیہ دی گئی ہے۔ زکوٰۃ سے یتیموں اور مسکینوں کی امداد مقصود ہے، قربانی سے خواہشات نفس کو اللہ کی راہ میں

قربان کر دینے کی تلقین کی گئی ہے، لیکن ان فرائض اسلام کی پابندی کرنیوالوں میں عام طور پر نقلی تقلید کے سوا اصلیت اور حقیقیت کیوں معدوم ہے؟ اس کی وجہ قلب میں حرص دنیا کی آلودگی ہے۔ اگر قلب میں زر و مال اور فرزند و زن کی والہانہ محبت کی بجائے مالک حقیقی کی محبت جاگزین ہو تو نماز کی اقامت میں معراج المومنین کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔ یعنی مخلص بندہ اپنے معبود برحق کے سامنے کھڑا ہو تو ایسا بے خود ہو جاتا ہے کہ اگر اس کے جسم میں چبھے ہوئے تیر و نشتر بھی نکالے جائیں تو اسے خبر نہ ہو، یقیناً ایسا ہوا ہے، اور ہونا ہی چاہیے، جبکہ ایک دنیاوی ملازم اپنے کسی بڑے افسر کے روبرو ہو، یا ایک مجازی عاشق اپنے محبوب مجازی کے سامنے حواس باختہ ہو جاتا ہے، تو ایک بندۂ ناچیز خالق حقیقی کے سامنے کھڑا ہوتے پر کیوں بیخود نہیں ہوتا۔

ہماری نماز کی اقامت میں بیسیوں دنیاوی خیالات۔ لین دین کے وسوسے، دن کے ادھورے کاموں کی تکمیل کے جذبات دل میں اٹھتے ہیں، اور انہی دنیوی خیالات میں

الجھے ہوئے نہایت ہی عجلت میں رکوع و سجود میں متبرک رٹے ہوئے الفاظ بڑبڑاتے ہوئے فریضۂ نماز ادا کرتے ہیں۔ پھر انہی دنیوی خیالات یا ادھورے کاموں کی تکمیل میں معروف ہو جاتے ہیں۔

کیا یہ فرض نماز کی ادائیگی ہے ؟

کیا اسی نماز کو معراج المومنین کہا جا سکتا ہے ؟

ہمارا روزہ اسی طرح ہمارا روزہ ہے۔ جو صبر و تحمل کی عملی تلقین ہے۔ تاکہ روزہ سے نہ صرف تزکیہ نفس ہو۔ بلکہ اس فاقہ کشی (یعنی خواہش نفس کو کچھ دنوں کے لئے ترک کر دینے) سے اس بات کا احساس ہو جائے۔ کہ جن روزانہ نعمتوں سے ہم لطف اندوز ہوتے ہیں یا ہو سکتے ہیں اُنکے میسر نہ آنے سے ایک تو ہم ایسا ہی صبر و ضبط کر سکیں جیسے کہ وہ غربا اور مساکین صبر کرتے ہیں جنکو یہ نعمتیں روزانہ میسر نہیں ہوتیں، دوسرے ہم خدا کا شکر کر سکیں۔ کہ ہم کو

ہمارے دوسرے غریب الحال بھائیوں پر خدا کی طرف سے
ان نعمات کی فوقیت حاصل ہے۔
شکر کی حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر اس چیز کا شکر کیا جائے
جس چیز کی ہم کو دوسروں پر فوقیت حاصل ہے۔
یہ حقیقی شکر جبھی ادا ہو سکتا ہے، جبکہ ہم کو اپنے سے کم مایہ
اور کم حیثیت لوگوں کی حالت کا دل میں احساس پیدا ہو
چند مقررہ متبرک الفاظ رٹ لینے سے نہ شکر ادا ہو سکتا ہے
اور نہ اسوقت تک حقیقی شکر کرنے کا دل میں احساس ہی
پیدا ہو سکتا ہے، جب تک کہ قلب میں خلوص نہ ہو۔
ہمارے روزے کیا ہیں، وہ اگرچہ آپ کو بھی معلوم ہیں
تاہم میں بھی بتائے دیتا ہوں۔
رمضان شریف کا چاند دیکھنے سے پہلے ہی ہمیں اشیائے
خورد و نوش بالخصوص گھی اور دودھ وغیرہ کا فکر ہوتا ہے
اسی فکر میں حسب استطاعت ان چیزوں کا انتظام کر لیا
جاتا ہے، تاکہ دن بھر کا فاقہ کمزوری دماغ کا باعث

نہ ہو سکے۔

مشہور بات ہے کہ ہمارے دیگر ماہانہ اخراجات کے مقابل ماہ رمضان کے اخراجات خورد و نوش زیادہ ہوتے ہیں وہ اس لئے کہ سحری اور افطاری میں مقوی و مفرح غذاؤں کا استعمال ہوتا ہے، جنکی لذت سے محظوظ ہونے کے لئے افطار سے تین چار گھنٹے پہلے ہی میوہ جات کی تراش خراش غذا کے پکانے ریندھنے، کاٹنے۔ چھیلنے۔ بنانے اور چھاننے میں نہایت بے صبری سے روزہ کا وقت کاٹا جاتا ہے یہ تو صرف ترک خورد و نوش یا فاقہ کی حالت ہے، اسمیں شب و روز کی ورزش نما یا عجلت خیز نمازیں بھی شامل ہیں، لیکن آنکھوں میں وہی بے حیائی، کان ویسے ہی غیبت مدح و خوشامد سننے کے عادی، زبان پر دشنام طرازی و گالی گلوچ ہاتھوں کی وہی دست درازی، کیا اسے روزہ کہا جا سکتا ہے کہ صبر و شکر کی بجائے بے صبری اور طمع نفسی کو اور بھی مشتعل کیا جائے؟ کیا روزہ کی یہی علت غائی ہے، جس سے تزکیہ

نفس مقصود ہے ۔

ہماری قربانی اور ہماری زکوٰۃ | اسی طرح سال بھر کے بعد۔ فریضۂ قربانی ہم ادا کرتے ہیں، یعنی سنت ابراہیمیؑ کے مطابق اپنی محبوب سے محبوب چیز کو خدا کی راہ میں قربان کرنا۔

کیا چند بکرے۔ دنبے، یا گائے وقت مقررہ پر ذبح کردینے سے قربانی کی حقیقت پوری ہو جاتی ہے، تا وقتیکہ سنت ابراہیمی پر عمل کرتے ہوئے ہم اس مرتبہ پر نہ پہنچ جائیں۔ کہ وقت پڑ اپنی ہر خواہش و تمنا اور اپنی محبوب سے محبوب چیز خدا کی راہ میں قربان کر سکیں، اگر سالہا سال کی سنت ابراہیمی ادا کرنے سے ہم میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوسکا کہ ہم اپنا زر و مال یا اپنے آپ کو یا اپنے فرزند کو فی سبیل اللہ پیش کر سکیں تو یقیناً ہم سنت ابراہیمی ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں ۔

یہی حال فریضۂ زکوٰۃ کا ہے، اول تو پوری مقدار میں زکوٰۃ

ادا نہیں کی جاتی، اگر کچھ ادا کی جاتی ہے تو اسکا مصرف سراسر
احکام اسلام کے خلاف ہے، رقم زکوٰۃ غریبوں یتیموں، مسکینوں
کی امداد پر خرچ ہونی چاہئے، اس کے بعد ایسے غریب العال
عیالدار اشخاص کو یہ رقم زکوٰۃ دینی چاہئے جس سے وہ کچھ تجارت
یا کاروبار کر کے اپنے تمام کنبے کی پرورش کرنے کے قابل ہو سکے
اس رقم کو بہت ہی چھوٹے چھوٹے حصوں میں اس لئے
تبدیل کیا جاتا ہے، تاکہ بجائے چند مستحق شخصیتوں کے سینکڑوں
گداگروں میں تقسیم کیا جائے، اور تقسیم زکوٰۃ کی یہ بھیڑ بھاڑ نمائش
زکوٰۃ و نام و نمود کا باعث ہو۔

مال و اولاد کی انفرادی محبت | فرائض اسلام کی ایسی ادائیگی میں لذت و مسرت خیر و برکت کہاں؟

اس کی وجہ صاف یہ ہے کہ ہمارے قلب، اخلاص و ایثار سے
خالی اور دنیا کے زر و مال فرزند و زن کی والہانہ محبت سے
آلودہ ہیں، اس زر و مال کے لئے جو چند روز کے بعد یقیناً

ہم سے مستقل طور پر چھن جانے یا برباد ہونیوالا ہے۔ اور
محبت اولاد کے لئے جس کا یہ دھندلا سا خاکہ ذہن میں رکھئے
آپ نے کبھی دیکھا ہوگا، غریب اور متوسط الحال گھروں
کی اکثر ڈیوڑھیوں یا آنگن کے کسی چھپر تلے یا برآمدہ کے نیچے
ایک بوڑھا شخص کسی کھری چارپائی یا ٹوٹے پھوٹے تخت
پہ لیٹے حقہ کی نے منہ میں لگائے کھانستے ہوئے اپنی زندگی
کے بقیہ ایام گذار رہا ہے یہی وہ شخص ہے، جو اپنا عہد شباب
زرو مال اور فرزند و زن پہ نثار کر چکا ہے، اور اب اس جانثار
کی شمع زندگی کے وہی خود غرض پروانے جو اسکی شمع ہستی پہ
جانثاری کا دم بھرتے تھے؛ اس کے عہد شباب کے ساتھ
ہی ایسے گم ہو رہے ہیں کہ اسوقت کوئی اپنے اس جانثار
محسن کی بات تک سننا گوارا نہیں کرتا۔

لڑکے کام پہ ہیں۔ بہو بیٹیاں۔ گھر کے کام دھندوں میں
مشغول ہیں، پوتے پوتیاں کھیل رہی ہیں، حقہ کی چلم کیلئے
یا پانی کے گھونٹ کے لئے چلاّ رہا ہے، کوئی اسکی بات

نہیں سنتا، کسی نے سن بھی لیا تو پرواہ نہیں، کسی نے پرواہ بھی کی تو۔ "بڈھا کھوسٹ مرتا بھی نہیں" کہکر۔

ہاں اگر اس بندہ زرو زن کی اسوقت کوئی شریف بیوی ہے تو وہ شاید اسکو حقہ کی چلم بھر دے، یا پانی کے دو گھونٹ پلا دے۔

لطف یہ ہے کہ مرنے کے بعد اگر پرسش اعمال پر بحیثیت مسلمان ہمارا ایمان ہے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ بعد مردن پرسش اعمال کے وقت اپنے نامۂ اعمال کے ماسوا۔ مال و زر۔ فرزند و زن کا نامہ پرسش پیش کرے گا ؟

یہ تو ہے حُبِ دنیا اور فرزند و زن کی محبت کی انفرادی حقیقت اب قوم کی اجتماعی زندگی ملاحظہ ہو۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی

اگرچہ مجھے اپنے اس زعم کی طوالت اور اس خشک مضمون کے مطالعہ سے آپ کی طبیعت اچاٹ ہوجانے کا احساس ہے، لیکن اگر میں قوم کی اجتماعی زندگی کا ذکر بوضاحت سے نہ عرض کروں، تو میرے زعم کا یہ دوسرا حصہ نامکمل رہیگا، میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ قوم کی اجتماعی زندگی کے لئے زر و مال کی بیشک ضرورت ہے بلکہ اشد ضرورت ہے، خواہ وہ زر و مال زکوٰۃ کا ہو، یا صدقہ خیرات یا چندہ یا مال غنیمت سے ہو، غرضیکہ ہر قسم کا وہ زر و مال جو قوم کی اجتماعی زندگی کے لئے ہو، اسے بیت المال میں رکھنا ضروری ہے، اور یہ بیت المال ایک قائد اعظم یا چند قائدین قوم کی امانت میں ہو، نہ کہ ایک غیر ذمہ دار شخص کی تحویل میں۔

مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں یہ سب سے زیادہ نقص ہے کہ قوم کے عام افراد تعلیم اسلام سے ناواقف ہونے کے باعث نہ صرف قوم کی اجتماعی ضروریات کے حسن و قبح سے ناواقف ہوتے

ہیں، بلکہ ہر تحریک کے معیاری اور غیر مفید ہونے میں بھی امتیاز نہیں کر سکتے، اور نہ محرک یا مشیر کے اخلاص و اعمال کا جائزہ ہی لے سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہر وہ شخص جسے تحریر یا تقریر کا ملکہ ہو وہ اپنی اسی محدود قابلیت کے اثر سے ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں روپے قوم سے بٹور لیتا ہے، اور یہ سب روپیہ اس مقرر یا محرک کی ذاتی ملکیت ہو جاتا ہے، نہ اسکا کوئی محاسب ہوتا ہے اور نہ محتسب۔

یہ اس لئے کہ اول تو مجھ ایسی اکثر شخصیتیں مخلص نہیں ہوا کرتیں دوسرے ایسی خود غرض ہستیوں کے دماغی تخیل کے قائم کردہ خود غرض اداروں کا قیام بھی بعض اوقات قوم کے لئے مفید ہونے کے بجائے مضر ثابت ہوتا ہے، جیسے کہ بعض یتیم خانے یا ایسے پرائیویٹ مدارس جنہیں اسلامی روایات تک لازمی نہ ہو اور اگر برائے نام دینیات اسلام کا نصاب ہو بھی تو وہ بھی روح اسلامی سے خالی ہو۔ یا بعض سیاسی، علمی، تمدنی انجمنیں اور کمیٹیاں وغیرہ۔

لہٰذا قوم کے یا قوم سے جمع کردہ زر و مال کو بغیر کسی تحقیق و تفتیش کے صرف ایک شخص کے (جو قوم کا قابلِ اعتماد امین ثابت نہ ہو) سپرد کر دینا حماقت کے مترادف ہے، خیر یہ تو ایک تمہیدی تذکرہ تھا
اسلامی نکتۂ خیال سے اجتماعی زندگی کا سب سے پہلا اصول زکوٰۃ ہے، جو محض مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی ضروریات کے لئے ہی نافذ کیا گیا ہے۔
بلکہ زکوٰۃ (جو عبادت کا دوسرا رکن ہے) کا مقصد ہی آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی و امداد کرنا ہے۔
چنانچہ اسلام کا یہ رکن زکوٰۃ ایسا ضروری ہے جیسے کہ فریضۂ نماز قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا حکم ہے، اس کے ساتھ ہی ہمیشہ زکوٰۃ کا بھی ارشاد ہے، ان ارشادات ایزدی کے مطابق زکوٰۃ کی بہت بڑی اہمیت ہے، جیسے کہ حضور پرنور ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی کئی ایک احادیث شریف زکوٰۃ کی اہمیت کے متعلق صحیحین کی کتاب الایمان میں موجود ہیں۔
علاوہ ان کے دو احادیث صحیح بخاری میں ہیں۔

ایک یہ کہ ۔

حضرت جریر بن عبداللہ یمنی سے روایت ہے، وہ فرماتے ہیں
میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تین باتوں پہ بیعت کی
تھی (۱) نماز پڑھنا (۲) زکوٰۃ دینا (۳) مسلمانوں کی خیر خواہی کرنا

دوسری حدیث کے حضرت معاذؓ راوی ہیں ۔
۹ سنہ ہجری میں جب حضور پُرنور صلعم نے حضرت معاذ رضؓ کو
اسلام کا داعی بنا کر یمن بھیجا، تو اسلام کے مذہبی فرائض کی آنحضرت
صلعم نے یہ ترتیب فرمائی ۔

پہلے ان کو توحید کی دعوت دینا، جب وہ یہ مان لیں تو ان کو بتانا
کہ دن میں پانچ وقت کی نماز ان پر فرض ہے، جب وہ نماز پڑھ
لیں، تو ان کو بتانا کہ اللہ تعالےٰ نے ان کے مال و زر پر زکوٰۃ
فرض کی ہے ۔ جو ان کے دولت مندوں سے لیکر ان کے
غریبوں کو دی جائے گی ۔ (بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۸۱)

زکوٰۃ اور نماز کے اس باہمی انضباط کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ
اسلام کی تنظیمی زندگی دو بنیادوں پر قائم ہے ۔ ایک روحانی اور

دوسرے مادی، روحانی نظام نماز باجماعت سے ہے، جو کسی ایک مسجد میں ادا ہو۔ اور نظام مادی زکوٰۃ سے ہے جو کسی بیت المال میں جمع ہو کر تقسیم ہو۔

اسی وجہ سے یہ دونوں چیزیں اسلام میں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں اور ان کی انفرادی حیثیت کے ساتھ ان کی اجتماعی حیثیت پہ بھی اسلام نے خاص زور دیا ہے۔

جس طرح اگرچہ نماز۔ جماعت اور مسجد کے بغیر بھی انجام پا جاتی ہے لیکن اپنی فرضیت کے بعض مقاصد سے دور رہتی ہے اسی طرح زکوٰۃ بیت المال کی مجتمع صورت کے علاوہ بھی اگرچہ ادا ہو جاتی ہے۔ مگر اس کی فرضیت کے بعض اہم مقاصد فوت ہو جاتے ہیں وہ مقاصد کیا ہیں سنئے، خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالے عنہ کے عہد خلافت میں جب بعض متاہل ہنے یہ کہا کہ ہم زکوٰۃ بیت المال میں داخل نہ کریں گے، تو شریعت اسلام کے محرم اسرار نے ان کی اس تجویز کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ اور فرما دیا تھا کہ۔

خدا کی قسم۔ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا۔ میں اس سے لڑونگا
کیونکہ زکوٰۃ مال کا حق ہے، خدا کی قسم جو رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں بھیڑ کا ایک بچہ بھی دیتا تھا۔ وہ اس کو
دینا پڑے گا" ؎۱

اگر اسوقت محرم اسرار شریعت صدیق اکبرؓ مسلمانوں کی یہ بات
تسلیم کر لیتے تو وحدت اسلام کا سررشتہ اسی وقت پارہ پارہ ہو
جاتا۔ اور مسلمانوں کی امامت و جماعت کا نظام اسی وقت درہم برہم
ہو جاتا۔ الغرض زر و مال کی زکوٰۃ۔ یا دوسرے الفاظ میں غریبوں
کی چارہ گری، مسکینوں کی دستگیری۔ بیواؤں کی نصرت، یتیموں
کی خبر گیری، مسافروں کی امداد۔ غلاموں اور قیدیوں کی اعانت
سب ختم ہو کر رہ جاتے۔ نماز کے بعد اسلامی عبادات میں دوسرا
رکن زکوٰۃ ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے، جسکا مطلب یہ ہے
کہ زکوٰۃ کی مقدار اور نصاب کے احکام نازل ہونے سے پہلے

؎۱ کتاب الزکوٰۃ و فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۱۹۔

ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو یہ حکم تھا کہ جو کچھ بچے وہ سب
خدا کی راہ میں خیرات کر دیں۔ آئندہ کیلئے کچھ بچا کر نہ رکھیں[۱]۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالے اجمعین کو متابعت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسقدر شوق تھا۔ کہ جنکے پاس کچھ نہ ہوتا وہ خدا کی راہ میں کچھ نہ کچھ دینے کے لئے بیقرار رہتے تھے۔

چنانچہ جب یہ ارشاد باری ہوا کہ ہر مسلمان پر صدقہ دینا فرض ہے، تو غریب و نادار صحابہ کرام رضوان اللہ تعالے اجمعین نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی

"یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے پاس مال نہ ہو وہ کیا کرے؟"

حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وہ محنت مزدوری کر کے اپنے ہاتھ سے پیدا کرے، خود بھی فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے"

---

[۱] صحیح بخاری کتاب الذکوٰۃ و فتح الباری جلد ۳ صفحہ ۲۱۹

اسپر صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔

"جس میں اسکی بھی طاقت نہ ہو وہ کیا کرے ؟"

ارشاد ہوا۔

"وہ کسی حاجتمند کی مدد کرے"

انہوں نے پھر دریافت فرمایا۔

"اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو ؟"

ارشاد فرمایا۔

وہ نیکی کا کام کرے اور برائی سے بچے یہی اسکا صدقہ ہے۔ ۱؎

یہی احکام صدقہ خیرات و دیگر رفاہ عوام سے وابستہ ادارجات کے متعلق ہو سکتے ہیں۔ یعنی کوئی فرد واحد قوم کے زرِ چندہ کا روپیہ بذات خود خرچ کرنیکا مجاز نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی فرد واحد کے پاس قوم کو اپنا زرِ چندہ یا صدقہ جمع کرانا چاہیئے۔ تاوقتیکہ قوم کے متفقہ فیصلہ کے مطابق کسی جماعت کا امین یا قوم کا قائد ثابت نہ ہو۔

۱؎ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ

فریضۂ جہاد اور اسکا مقصد

اسی طرح فریضۂ جہاد میں بھی مسلمانوں کی دینی و دنیوی ترقی کا راز مضمر ہے۔ جن لوگوں نے جہاد کو ظلم و ستم قتل و جدل سے تعبیر کر کے اسلام کو بدنام کیا ہے، وہ لوگ تو اسلام دشمنی کی وجہ سے جہاد کی حقیقت سمجھنے سے مجبور رہیں، لیکن جو مسلمان کہلاتے ہوئے موجودہ زمانہ میں جہاد کے منکر ہیں، خواہ وہ کسی بڑی سے بڑی جمعیت سے ہی کیوں وابستہ نہ ہوں، یا اسلامی تنظیم کے لحاظ سے دنیا بھر میں مشہور ہوں وہ بحیثیت مسلمان نہ صرف حکم الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہیں، بلکہ وہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی اس سنت و شریعت اسلام سے بھی روگرداں ہیں، جس کی پابندی زمانہ نبوت سے لازمی اور تاقیامت ضروری ہے۔

جہاد مسلمانوں کے لئے نہ صرف فرض تبلیغ اسلام ہے بلکہ دنیوی معاشرت و قومی جمعیت کے لئے بھی لازمی ہے۔ جس طرح زمانہ سلف کے مسلمانوں کی دنیوی وجاہت

فتوحات عرب سے ہوئی، اسی طرح ہندوستان میں بھی اسلامی حکومت جہاد کی شرمندۂ احسان ہے، اور اگر مسلمان ہندوستان میں یہ فریضہ ادا نہ کرتے تو آج مسلمانان ہند کی یہ حالت ہوتی کہ مشرکین تک انکو اپنا غلام سمجھتے، مسلمان ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم علیہ الرحمۃ کے ساتھ اجتماعی رنگ میں ہندوستان میں داخل ہوئے، اور برابر آٹھ سو سال ابراہیم لودھی کے زمانہ ۱۵۱۷ء تک ان کی حکومت ہندوستان پر رہی، ہندوستان میں مسلمانوں کی یہ اسلامی حکومت دیکھکر اس زمانہ کے با اقتدار ہندوؤں کو پہلی مرتبہ یہ خیال پیدا ہوا، کہ مسلمانوں کی حکومت کو ختم کر دینا چاہئے۔

اس تخیل کا علمبردار راناسانگا تھا، صورت حالات پر غور کرنے کے لئے دشمنئ اسلام کی ذہنیت کے زعماء جمع ہوئے۔ اور طے پایا کہ افغانستان کے بادشاہ بابر کو ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دیکر بابر کی تلوار سے لودھیوں کی گردنیں کٹوائی جائیں، اور اس کے بعد بابر کو یہاں قدم جمانیکا موقع نہ دیا جائے۔

چنانچہ اس سازش کو پوری طرح پایۂ تکمیل تک پہنچایا گیا، اور بابر کو ترغیب دی گئی، اور ساتھ ہی امداد کا وعدہ بھی کیا گیا۔

اسی ترغیب سے بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا، اور اس نے ابراہیم لودھی کو شکست دیکر لودھی سلطنت ختم کر دی، لیکن ابھی بابر اور اس کے مشیران سلطنت سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ راجپوتی سنگھٹن کا علم بردار۔ رانا سانگا ہندوستان کے تقریباً ایک سو راجاؤں اور دو لاکھ لشکر عظیم کے ساتھ بابر پر حملہ آور ہو گیا۔ اسوقت افواج مغلیہ کی کل تعداد صرف ۱۳ ہزار تھی، ذرا غور کیجیئے کہ مسلمانوں کیلئے یہ کسقدر نازک وقت تھا۔ اسوقت اسلام کی بازی صرف ۱۳ ہزار آدمیوں کی فتح و شکست پر موقوف تھی لیکن خدا کو مسلمانوں کے قدم ہندوستان میں جمانے منظور تھے، بابر نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے۔ جام و سبو کی صراحیاں پھوڑ ڈالیں۔ پہلے بارگاہ ایزدی میں سربسجود ہوا پھر اپنی تیرہ ہزار فوج کے سامنے ایک آتشین تقریر کی جسمیں رانا سانگا کی سازش اور ہندو ذہنیت کا انکشاف کر کے اعلان جہاد کر دیا

اسی فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لئے اِدھر تو بہادران اسلام میدان جنگ میں نکلے، اُدھر وہ راجپوت تھے (جنکو بہادران اِسلام نے ہی بہادر بنایا) دونوں فوجوں پر عجیب قسم کی مستی طاری تھی۔

راجپوت یہ سمجھتے تھے، کہ یہ تیرہ ہزار مسلمان ختم کر دیئے گئے۔ تو ہندوستان سے مسلمانوں کی حکومت ختم ہو جائے گی، اور مجاہدین اسلام کا یہ خیال تھا، کہ آج اسلام کی تقدیر صرف ۱۳ ہزار غازیوں کی تلوار سے معلّق ہے۔ اگر یہ تلوار ٹوٹ گئی تو پھر ہندوستان میں اسلام کی حکومت ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گی۔

جنگ شروع ہوئی تو اسلام کے تیرہ ہزار زندہ جاوید مجاہد تلواریں سونت کر راجپوتی طوفان میں گھس گئے اور انہوں نے خدا کی مدد اور اپنی قوّت بازو سے راجپوتوں کی دو لاکھ فوج کے چھکّے چھڑا دیئے،

غرضیکہ صرف تیرّہ ہزار مجاہدین کے فریضۂ جہاد کی ادائیگی سے مزید دو سو سال کے لئے ہندوستان میں مسلمانوں کے قدم جم گئے

رانا سانگا کی شکست سے عالمگیر (اورنگ زیب) کے عہد حکومت تک ہندوستان میں مسلمانوں کا وجود ہندوؤں کی سازش اور تلوار کی دستبرد سے محفوظ رہا۔

مگر عالمگیر کی وفات حسرت آیات تاریخ ہند کے لئے بدقسمتی کا دیباچہ ثابت ہوئی، عالمگیر کے جانشینوں نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے سلطنت کو بازیچہ اطفال بنا دیا، ملک میں چاروں طرف سے مسلمانوں پر حملے شروع ہو گئے، سکھ پنجاب کو لوٹنے لگے، مرہٹہ سردار چوتھ وصول کرنے لگے، دہلی آئے دن لوٹی جاتی مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹے جاتے، جب ان مظالم سے اسلامی حمیت بد سے بدتر نظر آئی تو سیوا جی کا جانشین مرہٹوں کے پیشوا بالاجی باجی راؤ نے پھر ایک دفعہ رانا سانگا کی تاریخ دہرانے کا اعادہ کیا، رانا سانگا کے طوفان کو تو ظہیر الدین بابر نے فرو کیا تھا، مگر اب بالاجی باجی راؤ کے مقابلہ کیلئے مسلمانوں میں کوئی نہ تھا مسلمانان ہند کی اس بے بسی اور بیکسی کو نگاہ مرد مومن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھانپ کر اپنی قوم میں یہ قرارداد پیش کی۔

موجودہ حالت میں مسلمان اپنی تنہا قوت سے کفار کے مظالم سے چونکہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے، اس لئے احمد شاہ

ابدالی کو دعوت دینی چاہئیے کہ وہ ہندوستان میں کلمۂ حق کی

امداد کے لئے نکلے، اور مسلمانوں کو نرغۂ کفار سے بچائے"

اس قرارداد کے مطابق مسلمانان ہندوستان نے احمد شاہ ابدالی

کو اپنے حال زار کی اطلاع دی۔

احمد شاہ ابدالی آخر مسلمان تھا، مسلمانان ہند کے اس پیغام درد و

کرب نے اُسے تڑپا دیا، اور اُس نے تمام افغانستان میں اعلان

جہاد کر دیا، اور ۱۷۶۱ء میں ستر اسّی ہزار کی جمعیت لیکر

ہندوستان میں پہنچا۔

یہاں پانی پت کے میدان میں ہندوستان متحدہ کی ان گنت

فوجیں اور تمام مرہٹہ سردار احمد شاہ ابدالی کے مقابلہ کیلئے جمع تھے

ہر مؤرخ کو اس بات سے اتفاق ہوگا کہ اسوقت مجاہدین اسلام

کی تلوار کا جوہر محمود غزنوی کی تلوار کے مطابق نہ تھا، بلکہ ظہیر الدین

بابر کی طرح جوہر جہاد سے مزین تھا، احمد شاہ ابدالی نے اسی

جذبۂ جہاد سے سرشار ہو کر اپنے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا

اور مجاہدین اسلام نے چاروں طرف سے مرہٹوں کو اپنی

تلواروں پہ دھر لیا، پانی پت کے میدان میں قیامت بپا ہو گئی
تھوڑے ہی عرصہ میں مرہٹہ سردار سر پہ پاؤں رکھ کر بھاگ گئے۔ اور
دشمنانِ اسلام کا ڈیڑھ لاکھ کے قریب لشکر قتل ہوا۔ افواج
کا سپہ سالار شیو راؤ بھاؤ بھی مارا گیا۔

پیشوا نے جب اس شکست کا حال سنا۔ اس کے تو پران نکل
گئے۔ مگر مسلمانانِ ہند کا مجروح مستقبل مزید دو سو سال کے لئے
ہندوستان میں محفوظ ہو گیا۔

یہ ہے فریضۂ جہاد، اگر اب بھی کشمیر یا ہندوستان کو مشرکین
کی دستبرد سے بچا سکتا ہے تو وہ بھی فریضۂ جہاد ہے۔

غرضیکہ جہاد کا مقصد بھی اسلام اور مسلمانوں کی حمایت ہے نہ کہ
مال غنیمت حاصل کرنا؛

جو لوگ صرف دشمنوں کا مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے
جہاد کرتے ہیں، وہ اسلامی نقطۂ خیال سے مجاہدینِ اسلام نہیں،
اس کے ثبوت میں اگرچہ کلام الٰہی کی یہ آیت کافی ہے۔

تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے

تاہم حضور پُرنور ہادی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس امر کی تصریح فرمادی ہے۔

ایک صاحب نے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا

"کوئی شخص غنیمت کے لئے کوئی نام کے لئے۔ اور کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے۔ کس کا جہاد خدا کی راہ میں سمجھا جائیگا"

حضور پُرنور صلعم نے فرمایا۔

"جو شخص اسلئے جہاد کرتا ہے کہ خدا کا بول بالا ہو"

صحیح مسلم میں اس سے بھی زیادہ حضور پرنور صلعم کی تصریح موجود ہے

"جو غازی خدا کی راہ میں لڑتا ہے، اور مال غنیمت لیتا ہو وہ آخرت کے ثواب کا دو ثلث یہیں لے لیتا ہے، اور آخرت میں اسکا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے البتہ اگر مال غنیمت مطلق نہ ملے تو اس کو آخرت میں پورا اجر ملے گا"

غرض کہ مال غنیمت کا اصل مقصد بھی یہ ہے، کہ وہ مال جو

لڑائی میں دشمنوں سے ہاتھ آتا ہے، ایک ایسا سرمایہ ہے جو
بلا قصد اور بلا محنت اتفاقاً مسلمانوں کو مل جاتا ہے، اور جو سرمایہ
کسی محنت کے بغیر اتفاقاً ہاتھ آجائے، اسمیں پانچواں حصّہ
نظامِ جماعت کا حق ہے۔ یا حکومت کے مقررہ بالا مصارف کیلئے
ہے۔

یہی اصول رکاز یعنی دفینہ کے متعلق ہے، کہ اگر کسی مسلمان کے
ہاتھ اتفاقاً کوئی دفینہ آجائے تو اس میں بھی پانچواں حصّہ جماعت
کے بیت المال کا حق ہے۔

یہ ہیں اسلام کے تنظیمی احکامات اور مسلمانوں کی اجتماعی
زندگی کا مختصر خاکہ۔ جسے ختم کرنے سے پہلے مجھے اس کے مقابل
اتنا اور عرض کرتا ہے۔

غور فرمائیگا کہ ہم نام کے مسلمانوں کی موجودہ تنظیمی حالت کیا ہے
اور اجتماعی زندگی کے لئے افرادِ قوم سے آجتک جسقدر روپیہ
جمع ہوا ہے۔ یا ہو رہا ہے (ماسوائے گزشتہ فسادات کے
مظلوم مہاجرین پر صرف ہونے کے علاوہ) وہ قوم کے کس،

مفروضہ بیت المال میں جمع ہوا تھا، یا ہو رہا ہے ؟ یا کسی فرد دار فرد کی تحویل میں ہے ؟

اگر قوم میں یہ تنظیم و محاسبہ نہیں ہے۔ تو ایسی صورت میں یہ زر و مال بھی ایسا ہی جہنم کا ایندھن ہے جیسے کہ بندۂ زر کا مال و منال،

غرضیکہ میرے زعم کے اس دوسرے حصہ کی انفرادی و اجتماعی حالات کا مطالعہ کرنیکا ماحصل یہ ہونا چاہیئے۔ کہ

دنیا کے زر و مال۔ فرزند و زن کی والہانہ محبت میں گرفتار ہو کر کوئی انسان مسلمان ہونیکا دعویٰ نہیں کر سکتا، اور نہ قوم کی اجتماعی حالت اور حفاظت اسوقت تک درست ہو سکتی ہے، جب تک کسی ایسے بیت المال میں قوم کا روپیہ جمع ہو جس کے منتظم امین و مخلص اشخاص ہوں

میری نظر میں صالح و صادق مسلمان وہ ہے جو دین کو دنیا پر عملاً مقدم سمجھکر دنیا میں رہتے اور دنیاوی زندگی فقر و غنا میں گذارتے ہوئے مرے، دنیا کے زر و مال فرزند و زن کی محبت اسے

ایسا بے تعلق رہے کہ اُسے اپنا تمام آثاثہ، اپنی جان، اپنی اولاد اسلام پر قربان کر دینے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ تک محسوس نہ ہو۔

ہے کوئی ایسا مائی کالال ؟ اگر آپ نے دیکھا ہے تو للّٰہ مجھے بتائیے میں اس کے پاؤں چوم لوں، اور اس کی خدمت میں دست بستہ عرض کروں۔

خدارا اٹھیے تبلیغ اسلام سے قبل اپنی گفتار و کردار کے اثر سے ہم نام کے مسلمانوں کو موثر کر کے انہیں مسلمان بنائیے۔

مگر میں نے تو آج تک کوئی ایسا مسلمان نہیں دیکھا۔

اگرچہ مجھ ایسے بے علم و عمل کے لئے "مسلمانی در کتاب مسلماں در گور" کے مقولہ کی تلقین کافی ہو سکتی ہے لیکن دل نے نہیں مانا، بلکہ چاہا یہ۔ کہ جو کچھ میں نے سوچا ہے وہ آپ کو بھی بتا دوں۔

چنانچہ میں نے اپنا زعم دور کرنے کے لئے آپ کو سب کچھ بتا دیا۔

اب خاتمہ پر ایک دفعہ پھر اسی کہانی کا خلاصہ سنا دینا چاہتا ہوں وہ اس لئے کہ شاید آپ کو پہلا سبق یاد آ جائے، یا اس خلاصہ کو

کو ہی یاد رکھ سکیں۔

ذرا سوچئے اور یاد رکھئے کہ دنیا کو اگر فانی ہم نہیں مانتے تو نہ سہی۔ اپنی زندگی کو تو فانی سمجھتے ہیں۔ اپنے اور سب کے لئے موت کا ایک دن تو معین سمجھتے ہیں؟

تو پھر اسوقت کو ہم کیوں بھول رہے ہیں، جبکہ ہمارے عام کردار اور افعال کا ہیولی ہمارے انتقال کے بعد ہماری آئندہ زندگی کا آئینہ ہے۔

آہ یہ کسقدر ہماری غفلت ہے کہ اسوقت معین کے درمیانی عرصہ یا دنیا کی چندروزہ زندگی اور زندگی کے لہو لعب میں مال و زر کی والہانہ محبت میں ہم خدا اور اسکے رسول صلعم اور اپنے مقدس اسلام کے احکام، اپنی زندگی کا مقصد۔ اور تمام شرف انسانی یعنی ادب اخلاق، رحم و کرم، ہمدردی، غمگساری انصاف و عدل وغیرہ کے تمام اوصاف صرف اپنی روزانہ زندگی کے معمولات اور ضروریات کی مصروفیت میں فراموش کر چکے ہیں۔

حالانکہ ضروریات زندگی کے معمولات اور فطری ضروریات حیوانات بھی روزانہ انجام دے رہے ہیں۔

یعنی دن کو خورد و نوش کی تلاش و مشقت کے بعد رات کو راحت و آرام، اگر ہم بھی صبح سے شام تک صرف اپنی فطری ضروریات میں مصروف رہ کر شام کو گھر میں راحت و آرام کرنے کے علاوہ عام فرائض انسانی حقوق الہٰی و حقوق العباد سے قاصر ہیں تو ہم میں اور حیوانوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔

کیا ہمارے انہی روزانہ معمولات و مصروفیت کا نام زندگی ہے، کیا زندگی کو صرف اسی جد و جہد سے تعبیر کیا گیا ہے میرے ناقص خیال میں زندگی تو وہ ہے جو اوروں کے کام آئے اور زندگی کی جد و جہد وہ ہے جو ہماری زندگی کے بعد دوسروں کی زندگی کا نمونہ بنے، جیسے کہ خیر القرون کے مسلمانوں نے اپنی زندگیاں وقف کیں۔ اور ان کی زندگی کی جد و جہد وغیرہ ہمارے لئے نمونہ زندگی ہے۔

مگر ہم اس چند روزہ زندگی کی حقیقت فراموش کرنے کے علاوہ

اس کی مدت اور موت کو بھی فراموش کر چکے ہیں۔ حالانکہ انسان
کی عمر کا تقریباً تیسرا حصہ ایام طفولیت سے سن بلوغت تک
گذر جاتا ہے۔ مگر اس مدت عمر کو نہ لذت نفس سے زیادہ
تعلق ہوتا ہے، نہ عیش و عشرت سے۔ البتہ سن بلوغ کی
عمر اگر بیس سال بھی قرار دی جائے تو اس میں سے ۴۰ یا ۴۵
برس کی عمر تک گویا بیس یا پچیس برس عہد شباب رہتا ہے
بس انسان کی اتنی ہی وہ مدت عمر ہے جس میں خواہشات
نفس کی لذت اور عیش و عشرت کی مسرت حاصل ہوتی ہے
اس کے بعد چالیس پینتالیس برس کی عمر میں انسان کے
قویٰ کمزور ہونے شروع ہو جاتے ہیں، اور کمزوری سے بتدریج
بڑھتے بڑھتے ساٹھ ستر برس تک دانتوں کی طاقت اور
آنکھوں کی بصارت تک زائل ہو جاتی ہے، ایسی حالت
میں انسان کے لئے زندہ رہنا زندگی کیلئے وبال جان ہے۔
یہ انسان کی پوری عمر کی حقیقت ہے، جس کی مدت صرف
بیس پچیس ۲۵ برس کی ہے

مگر ساتھ ہی اس کے یقین واثق ہو سکتا ہے؟ کہ کوئی انسان
اس عمر تک پہنچے گا جبکہ اسے قدرت الٰہی پر بھی یقین ہو۔ یعنی
قدرت کا راز معلوم کرنے سے انسان کی عقل قاصر ہے اسلئے
اس بات پر بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ کہ ہر انسان کو قدرت
کی طرف سے کتنی عمر ملی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ زیر مطالعہ صفحہ ختم
ہونے سے پہلے ہی زندگی ختم ہو جائے۔
چنانچہ قدرت الٰہی کے تیقن پر بھی حضور پر نور ہادی اسلام علیہ السلام
نے فرمایا ہے۔ کہ

موت کو ہمیشہ یاد رکھو اور اسقدر قریب تر سمجھو کہ
شاید نماز کے بعد دہنی سلام کہنے کے بعد بائیں طرف
سلام کے لئے منہ پھیرنے سے پہلے ہی موت
آجائے"۔

ذرا اپنے دل کو ٹٹولئے کہ محض اتنے عرصہ کیلئے جو قدرتاً ہماری
صحت اور فارغ البالی کے لحاظ سے موت کا ذمہ تین
نہ جانتے ہوئے) غیر یقینی ہے، ہم لوگ کیا کچھ نہیں کرتے

پس سمجھنے کیلئے اتنا ہی کافی ہے، مگر کہیں یہ نہ سمجھ لیں کہ میں مسلمانوں کو رہبانیت یا قلندرانہ زندگی گذارنے کی تلقین کر رہا ہوں

نہیں جاننا کلا نہیں میں مسلمان ہوں (خواہ نام کا ہی سہی) کسی قدر مقدس مذہب اسلام کے احکامات سے بھی واقف ہوں، اس لئے ڈرتے ڈرتے چند لفظوں میں اپنے اس خیال کی تشریح بھی کئے دیتا ہوں۔

اسلامی نکتۂ نظر سے انسان کو دنیا میں خلیفہ قرار دیا گیا ہے لہٰذا خلیفہ کیلئے دنیا ایک ایسا دار العمل ہے جسمیں مادی و روحانی ترقی کی بے شمار چیزیں ہیں، اور یہ تمام چیزیں قدرت حق نے انسان کے تصرف میں دی ہیں، جس سے وہ اپنے حقِ خلافت کو کما حقہٗ ادا کر سکے۔

یہی حق خلافت انسان کی راہبانہ زندگی کے خلاف ہے، غرضیکہ اسلام زندگی میں دین و دنیا دونوں کی آماجگاہ ہے۔ مگر دنیا دار کو دنیا کی تمام کوششوں میں خدا پہ ایمان رکھنا اشد

ضروری ہے یعنی دنیا کی تمام کوششوں میں انسان خدا کی رضا اور خوف دل میں رکھے۔

بس خداوند کریم کی رضا حاصل کر لینے سے ہی ایک انسان صحیح معنوں میں مسلمان بن سکتا ہے جس کی آخری آزمائش یہ ہے کہ مسلمان دنیا میں رہتے ہوئے خدا کے ہر حکم کی اطاعت کرے۔ اور یہ ہے اسلامی زندگی کا دستورِ حیات۔ اب آپ امیرانہ زندگی بسر کریں یا فقیرانہ، یہ آپ کی استطاعت اور ہمت پر موقوف ہے۔ ہاں باوجود غنا کے فقیرانہ زندگی بسر کرنا عین سعادت ہے، ورنہ امارت یا راحت پر اسلام معترض نہیں لیکن اسی دنیا اور دنیاوی زندگی کی ہر اُس چیز سے ایسی والہانہ محبت نہ رکھے جس سے اپنے خالقِ حقیقی کے احکامات اور حضور پُرنور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات و دیگر شرفِ انسانی کے تمام حقوق فراموش ہو جائیں۔

قبل اس کے کہ میں اپنی گذارشات کو ختم کردوں اسلام کے ضابطۂ حیات اور اپنے ماحصل کلام کی مختصر تشریح کرنے کی

اس لئے اجازت چاہتا ہوں کہ اگر اسلام کے نظام عمل اور موجودہ طریق معاشرت کی تشریح نہ کی جائے تو یہ کتاب نامکمل رہیگی، اس لئے اب آپ گذشتہ صفحات کی معروضات ذہن میں رکھتے ہوئے، اروحی فداہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی احادیث صحیحہ مطالعہ فرمایئے، ان میں وہ احادیث بھی ہیں۔ جو آپ نے اپنی حیات طیبہ کے آخری دنوں اور حجتہ الوداع (آخری حج) کے موقعہ پر ارشاد فرمائیں۔

حجتہ الوداع کی احادیث میں وہ احادیث بھی آپ کو ملیں گی جو آپؐ کی وفات حسرت آیات کے صرف بیس پچیس برس کے بعد کے بعض مسلمانوں سے آج تک اکثر مسلمانوں پر پیشین گوئی صادق آتی ہیں، اس کے بعد اسلام اور حاصل کلام کے تحت عنوان میں آخری معروضات پر ایک نظر اور ڈال کر ناچیز مصنف کو شکریہ کا موقع دیں۔

احادیث نبی اکرمؐ

وہ مسلمان بہتر ہے جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

ہر مذہب کے لیئے ایک صفت ہوا کرتی ہے (جو اس میں عمدہ اور غالب ہوتی ہے) اسلام کی صفت (جو اسلام میں عمدہ اور غالب ہے) حیا ہے۔

جو شخص اپنے عمل لوگوں میں مشہور کرتا ہے، خدا تعالیٰ اُسے اپنی مخلوق کے کانوں پر تو مشہور کر دیتا ہے لیکن دنیا کی نظر میں اُسے حقیر اور بے قدر کر دیتا ہے۔

دُنیا اُس شخص کا گھر ہے جس کا کوئی گھر نہیں، اور اسکا مال ہے جس کا کوئی مال نہیں، اور دنیا کے واسطے وہی جمع کرتا ہے جس کو عقل نہیں۔

"جو شخص اپنی روزی میں توسیع اور عمر میں برکت کا خواہاں ہو تو اُسے چاہیئے کہ وہ اپنے اقربا کے ساتھ نیک سلوک کرتا رہے"

"جو شخص خود تو سیر ہو کر کھانا کھائے، اور اسکا پڑوسی بھوکا رہے وہ کامل مومن نہیں"۔

مانگنے والوں کو خالی ہاتھ نہ لوٹاؤ۔ مانگنے والوں کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔

لونڈی اور غلاموں کے ساتھ نیک خوئی سے برتاؤ کرنا موجب برکت ہے، اور بد خلقی سے پیش آنا باعث بے برکتی ہے

سونے کے ایک دینار کو دو دیناروں کے بدلے۔ اور ایک درہم کو دو درموں کے عوض فروخت نہ کرو (یعنی دُگنے منافع پر کوئی کاروبار تجارت نہ کرو)

لوگو! مزدور کی مزدوری، اُس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے اس کے حوالے کر دو۔

لوگو! زنا کے پاس (ہو کر بھی) نہ پھٹکنا۔ کیونکہ وہ بیحیائی اور بہت ہی بُرا چلن ہے۔

لوگو! خبردار ظلم نہ کرو (اور) سنو! کسی شخص کا مال اُس کی خوشی اور رضامندی کے بغیر حلال نہیں۔

اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسکا کوئی شریک نہیں۔ اسی کے لئے سلطنت اور ملک اور حمد ہے۔ وہ مارتا اور جلاتا ہے، اور وہ تمام چیزوں پر قادر ہے۔ کوئی خدا نہیں۔ مگر وہ اکیلا خدا، اس نے اپنا وعدہ پورا کیا، اور اپنے بندہ کی مدد کی اور اکیلے تمام قبائل کو شکست دی۔

عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم خاک سے بنے تھے۔

ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ یا مسلمان مسلمان بھائی بھائی ہیں۔

تمہارے غلام، تمہارے غلام ہیں۔ جو خود کھاؤ۔ ان کو کھلاؤ جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ۔

عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے۔

میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا ہوں۔ اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہو گے۔ وہ چیز کیا ہے کتاب اللہ

مذہب میں غلو اور مبالغہ سے بچو، کیونکہ تم سے پہلی قومیں اسی سے برباد ہوئیں۔

ہاں میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا، کہ خود ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔ تم کو خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے، اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کریگا۔

اے لوگو؟ میں بھی بشر ہوں، ممکن ہے کہ خدا کا فرشتہ چلا آئے اور مجھے قبول کرنا پڑے (یعنی موت) میں تمہارے درمیان دو بھاری چیزیں چھوڑ جاتا ہوں، ایک خدا کی کتاب جس کے اندر ہدایت اور روشنی ہے۔ خدا کی کتاب کو مضبوطی سے پکڑو اور دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارہ میں تمہیں خدا کو یاد دلاتا ہوں۔

یاد رکھو جس بات میں فحش (بد زبانی) کو دخل ہوتا ہے۔ وہ

بھونڈی ہو جاتی ہے، اور جس میں حیا کو دخل ہوتا ہے۔ وہ خوشنما ہو جاتی ہے۔

ہاں مجرم اپنے جرم کا آپ ذمہ دار ہے۔
ہاں۔ باپ کے جرم کا بیٹا ذمہ دار نہیں۔ اور بیٹے کے جرم کا جواب دہ باپ نہیں۔

اگر کوئی حبشی بینی بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو، اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

ہاں! شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ اب تمہارے اس شہر میں اُس کی پرستش قیامت تک نہ کی جائے گی لیکن البتہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں اس کی پیروی کرو گے اور وہ اسی پر خوش ہو گا۔

اپنے رب کی بندگی کرو۔ پانچوں وقت کی نماز پڑھو۔ اور میرے احکام کی اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے

اسلام اور حاصل کلام

گذشتہ صفحات میں میری تمام معروضات (جنکا انداز تحریر قصداً سلیس رکھا گیا ہے) آپ کے گوش گذار ہو کر دل میں اتر چکی ہوں گی۔ اب حاصل کلام یہ ہے۔

• بحیثیت مسلمان اگر آپ پر احکام اسلام کی پابندی فرض ہے اگر آپ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے طریق عمل کو راہ ہدایت تسلیم کرتے اور ان کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالےٰ اجمعین کو مجاہدین و مبلغین اسلام و مسلمانان صادق مانتے ہیں:

تو انصاف سے اپنے دین اور دنیوی طرز عمل کا جائزہ لیکر اپنے دل سے پوچھیں کہ

کیا ہم اپنے مقدس مذہب اسلام کے احکام اور ہادی اسلام

علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے مطابق اپنے مذہبی فرائض ادا کرتے اور مسلمان کہلا سکتے ہیں ؟

اور اگر ہم صرف دنیوی تمدن کی تقلید میں مذہب اور اپنے ہادی مذہب کے ایسے ہر ایک حکم اور ارشاد کو (جو دنیوی تمدن میں ہمارا ممد و معاون ثابت نہ ہو۔ یا جو ہماری محبوبیت (مال و اولاد۔ دولت و جائداد) میں خلل انداز ہو، در خود اعتنا نہیں سمجھتے تو صاف ظاہر ہے کہ ہمیں اسلام کی تعلیم اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کے طریق عمل سے اختلاف ہے۔

بظاہر بات ایسی ہی نظر آتی ہے، کیونکہ زمانہ حاضرہ میں مسلمانوں کی دو حساس جماعتیں پائی جاتی ہیں۔

ایک جماعت تو مسلمانوں کو اسلامی پروگرام کی اس لئے دعوت دیتی ہے کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، اور اس میں انسانی تقاضوں کو باحسن وجوہ پورا کیا گیا ہے، لیکن انکے اعمال کا یہ حال ہے کہ تقلید تمدن اور اپنے طریق معاشرت میں عملاً وہ ایسی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتے۔ جو تبدیلی ضروریات

زندگی یا خواہشات نفسانی کے خلاف ہو۔ مثلاً وہ مال و اولاد دولت و جائداد کی محبت اپنے دل سے قطعاً نہیں نکال لیتے حالانکہ حکم الٰہی کے مطابق یہی وہ فتنہ ہے، جس نے مسلمانوں کی مذہبی و سیاسی، قومی و ملی قوتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔

دوسری جماعت وہ ہے جو اگرچہ اپنی زبان سے یہ کہنا نہیں چاہتی کہ مسلمانوں کو کسی نئے پروگرام کی ضرورت ہے لیکن دل میں اس نئے پروگرام کی تلاش میں عقل و فکر کی ٹھوکر کھا رہی ہے، ان کی نظر میں عقلمند وہ ہے جو دنیا میں زیادہ دولت مند ہو، جو خوفناک آتشیں اسلحہ ایجاد کر سکتا ہو، جو چاند اور مریخ تک پہنچنے کی کوشش کرے، جو ہمالیہ کی چوٹی پر چڑھ جائے جو دوسروں کو زیر کرنے کے لئے ایٹم بم بنا سکتا ہو، جو کمزور ملکوں کو تباہ کر سکتا ہو، جو بڑی سے بڑی مشین ایجاد کر سکتا ہو۔ لیکن اسلام کی نظر میں یہ کوئی عقلمندی نہیں، وہ اس لئے کہ بحیثیت انسان وہ ایک گداگر کی طرح معذور ہے، اسکی زندگی مدام نہیں، وہ کچھ نہیں کر سکتا، کھیتیاں سوکھتی ہیں،

وہ اُن کو پانی سے سیراب نہیں کر سکتا، دنیا کے ہزاروں امراض کا اُس کے پاس علاج نہیں، سینکڑوں فتنوں کا وہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اگر دولت کے انبار جمع کرنا، سر بفلک مکانات تعمیر کرنا۔ اور مشینیں ایجاد کرنا۔ ایٹم بم بنانا ہی عقلمندی ہے۔ تو پھر اُس شہد کی مکھی کو عقلمند تسلیم کرنا پڑے گا، جو شہد کے چھتے میں عظیم الشّان سلطنت کا نقشہ عملی شکل و صورت میں تیار کرتی ہے، یا اُس بئے (ایک پرندہ) کے ذہن کا قائل ہونا پڑے گا، جو اپنے مکان بنانے میں اپنی بیمثال ذہانت اور فطانت کا ثبوت دیتا ہے، یا اُس سیپ کی کمالیت کی داد دینی پڑیگی جو اپنے بطن سے گوہر آبدار پیدا کرتا ہے، یا اُس سانپ کی فسوں سازی ماننی پڑے گی، جس کے زہر کے حقیر قطرہ سے بڑے بڑے طاقتور انسان موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔

کیا اسی عقل فکر پر ناز کیا جا سکتا ہے، جو صرف اپنے عیش تنعم کے لئے کام آئے، اور دوسروں کی تباہی کرے؟

اسلام کی نظر میں تو عقلمند وہ ہے جو خدا کی معرفت سے شناسا ہو، جو اپنی زندگی کی حقیقت سے باخبر ہو، جو پیدائش عالم اور اپنی زندگی کے مقصد سے واقف ہو، اسلام کا دستور العمل قرآن فرماتا ہے،

یہی لوگ عقلمند ہیں اور یہی صاحب تدبر ہیں، یہی البصیرت والے ہیں، اور بالغ نظر کے مالک ہیں، اور ان ہی کے اشاروں پہ کائنات ایک ادنیٰ غلام کی طرح رقص کرتی ہے، اور عالم کا ذرہ ذرہ ان کی اطاعت اپنی سب سے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔"

اگر مسلمان ہو۔ تو یاد رکھئے کہ مسلمان کی عقل صرف ایمان ہے ایمان ہی تدبر ہے، ایمان ہی انسانیت ہے، جس کے دل میں ایمان نہیں وہ انسان نہیں بلکہ حیوان سے بدتر ہے۔

ہاں۔ تو۔ ذکر مسلمانوں کی دو جماعتوں کا تھا، غرضیکہ زمانہ حاضر میں دونوں جماعتیں عجیب کشمکش میں مبتلا ہیں، دونوں کی راہیں مسدود ہیں، بلکہ عملاً دونوں گم کردہ راہ ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح راہ کونسی ہے ؟
اس کا جواب اسلام کے دستور العمل قرآن مجید کی سورہ بقر میں پڑھیئے ۔

اے ایمان والو ؛ داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے کے پورے ، اور شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو ۔ واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ۔"

اس آیت شریف کا شان نزول یہ ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے عہد مقدس میں چند یہودی ایمان لائے ، لیکن ان کا یہ حال تھا کہ احکامات اسلام کی پابندی کے ساتھ ہی وہ احکام تورات کو بھی انجام دیتے تھے ،
چنانچہ یہودیوں کے یہاں ہفتہ کا دن متبرک اور قابل احترام تھا ، نیز وہ اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھتے تھے ساتھ ہی اس کے وہ قرآن مجید کی طرح تورات کی بھی تلاوت کیا کرتے تھے ، یہودیوں کے اس طرز عمل پر قرآن مجید کی یہ آیت اتری اور ان لوگوں کو ایسے اعمال سے روکا گیا ۔ ان احکام الٰہی

سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اسلام میں، ہر مسلمان کو اپنے نظام کے علاوہ کسی دوسرے نظام زندگی سے تعلق رکھنے کی قطعاً اجازت نہیں، اور نہ اسلام صرف چند عبادات کا مجموعہ ہے۔

اسلام کا نظام زندگی ایک مستقل نظام ہے، اس معاملہ میں وہ اپنے ماننے والوں کو ایک لمحہ کے لئے بھی دوسرے نظام حیات کو اختیار کرنے یا اس میں اپنے آپ کو ملوث کرنے کی اجازت نہیں دیتا، ورنہ عہد نبوت کے ان مسلمانوں کو یہود کے اشغال سے ہرگز نہ روکا جاتا، صاف حکم الٰہی ہے۔

یعنی "شیطان کے قدم بہ قدم نہ چلو"

اور اسی آیت کے دوسرے حصہ سے ظاہر ہے کہ اسلام کے دستورِ حیات کو چھوڑ کر اگر کسی دوسرے نظام زندگی کو اختیار کیا جائے تو ایسا کرنا شیطان کی پیروی ہوگی نہ کہ رحمٰن کی بندگی و اطاعت؟

اسی طرح ایک اور مقام پہ ارشاد باری ہوا۔

اور جو اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کا خواہاں

ہوا۔ تو وہ اس سے قبول نہیں کیا جائیگا۔ (قرآن)

ایک اور مقام پر فرمایا۔

اللہ کے نزدیک دین (دستور زندگی) صرف اسلام ہے (قرآن)

گذشتہ معروضات سے محترم قارئین پر یہ بات واضح ہوگئی ہوگی، کہ مسلمانوں کو کسی نئے پروگرام کی ضرورت نہیں، بلکہ اُن کے لئے اسلام ہی اصل دستور حیات اور نظام زندگی ہے۔

اس موقعہ پر اگر دلدادگان مغرب میں سے کوئی یہ کہے کہ یہ اسلام کی تنگ نظری ہے تو ان کا یہ کہنا سراسر افترا ہے کیونکہ اسلام کو تنگ نظری سے دور کا بھی تعلق نہیں، اس کی تعلیم اور دستور العمل میں پروردگار عالم کو رب المسلمین نہیں، بلکہ رب العالمین اور پیغمبر اسلام علیہ السلام کو رحمۃ المسلمین نہیں بلکہ رحمۃ اللعالمین فرمایا ہے۔

اسی طرح کلام الٰہی کی سورہ انعام میں خدا کا یہ فرمان ہے۔ کہ

اور خدا کو چھوڑ کر جنکی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں انکو گالیاں نہ دو

اسلام نے ہی تمام انبیاء کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام پر مسلمانوں کو ایمان لانے کی تلقین کی، اگر کوئی مسلمان کسی نبی کا انکار کر دے تو وہ اسلام کی نظر میں اسی طرح کافر ہے جس طرح پیغمبر اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر ہے۔
اسلام نے ہی اپنے ماننے والوں کو یہ حکم دیا ہے، کہ قرآن سے پہلے جتنی کتابیں اللہ نے نازل فرمائیں ان پر ایمان لاؤ اور یہ تسلیم کرو کہ وہ کتابیں اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔

اسلام کی اسی صداقت کی بنا، پر پیغمبر اسلام علیہ السلام نے اپنی اُمت سے ارشاد فرمایا۔

حکمت و دانائی کی بات مومن کی متاع گم شدہ ہے پس جہاں کہیں بھی وہ مل جائے مومن اسکا سب سے زیادہ مستحق ہے۔

پیغمبر اسلام نے صرف تعلیم ہی نہیں دی۔ بلکہ اپنے طرز عمل سے اسکا ہر نمونہ بھی اُمت کے سامنے پیش فرمایا۔

مدینہ شریف میں یہودی یوم عاشورہ (دسویں محرم) کا روزہ رکھا کرتے تھے، عشرہ محرم کی فضیلت کے پیش نظر آپ نے بھی اُس روز روزہ رکھا لیکن ساتھ ہی اس کے یہود کی مشابہت سے بچنے کے لئے فرمایا

اگر میں آئندہ سال اس دنیا میں موجود رہا۔ تو نویں (محرم) کا بھی روزہ رکھوں گا۔

اسلام کی اسی تعلیم کے مطابق پیغمبر اسلام نے تمام مسلمانوں کو اس بات کی تلقین فرمائی۔

"جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز شخص آئے تو تم اس کا احترام کرو"

اور ————

ہر قوم میں رہنما آتے رہے ہیں"

تعلیم اسلام کی تربیت نے ہی سلمان فارسیؓ صہیب رومیؓ۔ بلال حبشیؓ۔ اور فاروق اعظمؓ کو ایک ہی صف میں لا کر کھڑا کر دیا، اور قوم و ملک حسب و نسب کے تمام ناجائز سماجی

بندھنوں کو کاٹ کر رکھدیا؟

کیا اس روشن تعلیم، بلند فکر، اور عملی تاریخ کی موجودگی میں اسلام پر تنگ نظری کا الزام عائد ہو سکتا ہے۔

اگر اس بات کا اعتراض کیا جائے کہ اسلام نے اشتغال یہود اور اعمال شریعت موسوی ؑ سے مسلمانوں کو کیوں روکا؟

وہ اس لئے کہ اسلام کے مکمل اور بہترین نظام زندگی کے مقابل دوسرے تمام دستور حیات اس لئے مفید نہیں ہو سکتے تھے۔ کہ یہود و نصاریٰ کے علماء و مشائخ نے اپنی مقدس کتابوں سے احکام الٰہی کی کانٹ چھانٹ کر کے ان کی اصلی صورت کو بدل کر اپنی من مانی کاروائیاں درج کر دیں، اس طرح وہ نامکمل اور لبودہ نظام زندگی بن کر رہ گیا۔

ادھر اسلام نے انسانی زندگی کا کوئی بھی شعبہ ایسا نہیں چھوڑا جس کی اصلاح نہ کی ہو۔ اور جس میں اس نے معتدل اور صحیح راہ عمل تجویز نہ کی ہو۔ مثلاً

اقتصادیات، معاشیات۔ عمرانیات۔ عبادات، انفرادی

اور اجتماعی زندگی، بین الاقوامی تعلقات۔ خانگی اور خاندانی
روابط، غرضیکہ ہر قسم کے جتنے بھی انسانی زندگی سے متعلق
شعبے ہیں، اسلام نے ان کی اصلاح کر کے سرے سے نئے
ضوابط مرتب کئے، اس لئے اسلام لے آنے کے بعد دوسرے
تمام ناکمل نظام ہائے زندگی اللہ کے ہاں نہ قابل قبول ہیں۔
مگر مشکل تو یہ ہے کہ ہم مسلمان خود اپنے مذہب اسلام کے
دستور العمل سے ناواقف ہیں، اول تو کبھی قرآن مجید کی تلاوت
ہی نہیں کی جاتی۔ اور اگر کی بھی جاتی ہے۔ تو بطور تبرک بغیر
معانی و تفسیر طوطے کی طرح عربی عبارت رٹی جاتی ہے۔
کاش! مسلمان قرآن کا گہری نظر سے اور تدبر کے ساتھ کم از کم
اسی فرصت میں مطالعہ کرتے جس فرصت میں وہ الفاظ و
معانی ضائع بدائع، شعر و شاعری، یا جذبات کو انگیخت کرنیوالے
ادب کثیف کا مطالعہ کرتے ہیں، اگر صحیح طریقہ فرصت پاکیزگی
قلب اور غور و فکر کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی جائے تو پژمردہ
روحانیت تازہ ہو سکتی ہے۔ اور اگر اتنی ہمت اور عزیمت نہیں

تو کم از کم سرسری تلاوت قرآن مجید کے وقت بھی آپ کو ایک جگہ خدا کا ذکر ملیگا، تو دوسری جگہ اعلیٰ اخلاق، ایفائے عہد، صداقت راستبازی۔ جنگ و صلح۔ رموز جہانبانی وغیرہ کے وہ تمام اسباق ملیں گے۔ جو انسانی زندگی کی فوز و فلاح کے لئے ضروری ہیں

اسی طرح اگر پیغمبر اسلام علیہ السلام کو آپ ایک موقعہ پہ اپنے مولیٰ کے حضور میں الحاح و زاری میں سجدہ ریز دیکھینگے تو دوسرے موقعہ پر آپ کو بہترین حاکم۔ اعلیٰ کمانڈر۔ بیمثال شوہر۔ خاندان کے لاجواب ہمدرد کی حیثیت میں دیکھیں گے۔

ایسی پاکیزہ تعلیم اور مکمل دستور کے ہوتے ہوئے اگر کوئی بدبخت مسلمان کسی دوسرے نظام کی تلاش میں ہے، تو درحقیقت وہ پرلے درجے کا جاہل اور احمق ہے۔

بات سے بات نکل آتی ہے۔

میری نظر میں نہیں، بلکہ اسلام کی نظر میں ایسے جاہل خود غرض نفس پرور لوگ جو اپنے آپ کو عقلمند، صاحب تدبر، مآل اندیش روشن طبع سمجھتے ہیں، ان کی نسبت اسلام کے دستور العمل

قرآن مجید کا سورۂ حشر پارہ ۲۸ میں یہ اعلان ہے۔

یہ لوگ سب مل کر بھی تم سے نہ لڑیں گے، مگر حفاظت
والی بستیوں میں یا دیوار کی آڑ میں، ان کی لڑائی
آپس میں بڑی تیز ہے، اے مخاطب تو ان کو متفق
خیال کرتا ہے، حالانکہ ان کے قلوب غیر متفق ہیں۔
یہ اس وجہ سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو عقل نہیں
رکھتے"

اس آیت کا شان نزول مدینہ کے بنی نضیر کے یہودیوں کے ایک واقعہ سے متعلق ہے، جس کا مختصر بیان یہ ہے۔
مدینہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلہ پہ یہودیوں کی ایک قوم آباد تھی جو بنی نضیر کے نام سے مشہور تھی، یہ لوگ بڑے جیتھے والے اور سرمایہ دار تھے، اپنے مضبوط قلعوں پہ ان کو بڑا ناز تھا، روحی فداہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مدینہ میں تشریف لائے۔ تو انہوں نے آپ سے معاہدہ صلح کر لیا، اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی، کہ ہم آپکے مقابلہ

میں کسی کی مدد نہ کریں گے۔

لیکن معاہدہ کی اس شرط کے خلاف وہ خفیہ طور پر مشرکین مکہ سے نامہ و پیام کرنے لگے، بلکہ ایک مرتبہ ان کے ایک بڑے سردار کعب بن اشرف نے ۴۲ سواروں کے ساتھ مکہ پہنچ کر کعبہ شریف کے سامنے مسلمانوں کے خلاف قریش سے عہد و پیمان باندھا اگرچہ چند روز کے بعد اللہ اور اُسکے رسُول کے حکم سے محمد بن مسلمہ نے اس غدّار کا کام تمام کر دیا لیکن اس کے بعد بھی بنی نضیر کی طرف سے بدعہدی کا سلسلہ جاری رہا، بلکہ انہوں نے دغا بازی سے پیغمبر اسلام علیہ السلام کے معہ آپ کے چند رفقا کے بلا کر قتل کرنا چاہا، ایک دفعہ حضور پُر نور ایک جگہ تشریف فرما تھے۔ کہ انہوں نے ایک اتنا بھاری چکی کا پاٹ لڑھکا دیا۔ کہ اگر کسی کو چھو بھی جاتا تو وہ بچ نہ سکتا۔

یہودیوں کی انہی شرارتوں اور دغابازیوں سے تنگ آکر آخرکار پیغمبر اسلام علیہ السلام نے مسلمانوں کو جمع کر کے اُن سے لڑنے کا اعلان کر دیا، اور جانثاران اسلام نے یہ حکم سنتے ہی نہایت

سرعت اور مستعدی سے یہودیوں کے مکانوں اور قلعوں کا محاصرہ کرلیا، جس سے وہ سخت خوفزدہ اور مرعوب ہو گئے، اسلئے ان کو مقابلہ کی ہمت نہ پڑی، بلکہ گھبرا کر مسلمانوں سے صلح کی التجا کی، اور صلح اس شرط پر قرار پائی کہ یہودی مدینہ کو خالی کر دیں ایسی صورت میں ان کی جانوں سے تعرض نہ کیا جائیگا۔ اور جو مال و اسباب اٹھا کر وہ لے جا سکتے ہیں لے جائیں، البتہ ان کے مکانات، زمین۔ باغات اور دیگر جائداد پر مسلمان قابض رہیں گے۔

چنانچہ اس شرط پر بہت سے یہودی مدینہ سے خیبر میں چلے گئے۔

قرآن مجید کی گذشتہ آیت میں جماعت یہود کی بعض کمزوریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مثلاً۔

(۱) یہ سب کے سب مل کر بھی نہ لڑ سکیں گے، یہ تم سے مرعوب ہو چکے ہیں، ان کے دلوں میں خوف سما گیا ہے۔

(۲) اگر یہ لڑیں بھی تو حفاظت والی بستیوں یا دیوار وغیرہ کی

آڑ میں لڑیں گے، اِن میں اِتنی ہمت نہیں کہ یہ میدان میں نکل کر تم سے مقابلہ کریں۔

(۳) یہ آپس کی لڑائی میں بہت تیز اور سخت ہیں۔

(۴) ظاہر میں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ آپس میں متحد و متفق ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کے دل ایک دوسرے سے متنفر ہیں۔

(۵) اور یہ سب کچھ (یعنی کمزوریاں) اس لئے ہے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے۔

اب بتلایئے کہ ایسے لوگوں کو عقلمند کہا جا سکتا ہے، جنکو صرف دنیوی عیش و تنعم، دنیاوی نام و نمود، دنیاوی کر و فر، اور دنیاوی علم و عمل کا دعویٰ ہو۔ اور مقصد زندگی، انسانی ہمدردی، اطاعت الٰہی شریعت نبوی تبلیغ دینی سے بے خبر ہوں۔

مسلمانوں کے اس طبقہ کے بعد ایک اور طبقہ ہے۔ جسے مغربی تکمیل تعلیم کے زعم میں اپنی بالغ نظری اور روشن خیالی

کا دعویٰ ہے، اور وہ دبی زبان سے اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ "مسلمانوں کو ایک نئے پروگرام کی ضرورت ہے"۔

گویا یہ طبقہ دانستہ یا نادانستہ طور پر اسلام کو ایک ناقص قسم کا دستورالعمل تصور کرتا ہے، یا کم از کم وہ اس نئی دنیا میں اس تیرہ سو سال کے پرانے نظامِ حیات کو موزوں نہیں سمجھتا اگر اس طبقہ کو نئی چیز کے مقابل پرانی چیز سے نفرت ہے، اور وہ اسی نظریہ کے ماتحت اپنی نئی زندگی بدلنا یا گذارنا چاہتے ہیں۔ تو انہیں اس پرانی دنیا کو بھی بدلنا چاہیئے، وہ اس پرانی دنیا میں کیوں آباد ہیں؟ اور اس پرانے آسمان کے نیچے کیوں جی رہے ہیں۔ اس پرانی ہوا میں کیوں سانس لے رہے ہیں، ان کو تو چاہیئے کہ وہ اس بوڑھی دنیا کو چھوڑ کر کوئی نئی اور جوان دنیا تلاش کریں۔ عرض ہے کہ کسی چیز کا نیا ہونا اس کے مفید ہونے کی دلیل نہیں، اور اگر نئی چیز کی صرف اس لئے تلاش ہے۔ کہ پرانی چیز ناقص ہے۔ تو پھر پہلے اس پرانی چیز کا نقص ظاہر

کرنا چاہیئے، خدانخواستہ اگر اسلام کے نظام عمل میں کوئی نقص ہے تو اسے عیاں کر دینا چاہیئے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس نقص کو دور کرنے کے لئے نئے پروگرام کی مسلمانوں کو ضرورت ہے۔

محض اپنے زاویہ نگاہ یا نفسی خواہش کی مطابقت سے نہیں بلکہ دنیا کے مختلف مذاہب کے دستور حیات سے اسلام کا موازنہ کرنا پڑے گا۔

آج دنیا میں مختلف قسم کے نظام ہائے زندگی ابھر آئے ہیں، ماننا پڑے گا کہ ان میں کوئی بھی اخلاقی یا روحانی بنیادوں پر تعمیر نہیں ہوا، کہیں تو قومی اور نسلی تعصب کسی نظام کا محرک بنا کہیں خوف و لالچ کہیں مال و زر کی کثرت یا قلت، کہیں نفسیات اور عیش و عشرت اس نظام کی تحریک کا باعث ہوئی اس قسم کے جتنے محرکات ہیں وہ سب وقتی اور جذباتی ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ ایسے تمام نظام ہائے عمل انقلابات عالم سے متاثر ہوتے رہتے ہیں، ان میں اسلام کے نظام حیات ایسا

استقلال کہاں؟

یہ سب نظام حوادثات زمانہ کے آگے لرزہ براندام رہتے اور
آئے دن ان میں ترمیمات و تلمیحات کا سلسلہ جاری رہا جس کا
نتیجہ یہ ہوا کہ تمام غیر مذاہب کے نظام ہائے زندگی کچھ کے کچھ
اور ان کی صورتیں تمام مسخ اور ان کے احوال متقلب ہو گئے
یہ میرے دماغی تخیلات نہیں، بلکہ دنیا کے تمام نظاموں پر
آپ تاریخی حیثیت سے نظر ڈالئے تو آپ کو اس حقیقت
کا اعتراف کرنا پڑے گا، کہ اس قسم کے جتنے نظام ہائے حیات
ہیں وہ زمانہ کی پیداوار ہیں، اور زمانے کے سانچے میں ہی
ڈھلتے ہیں، ان میں زمانے کو اپنے میں ڈھالنے کی قطعاً صلاحیت
اور استعداد نہیں، زمانہ جس طرف ان کو چاہتا ہے لیجاتا ہے
ان کی زمام زمانے کے ہی منقلب ہاتھوں میں رہتی ہے زمانہ
ہی ان کا حاکم اور یہ اسکے محکوم ہوتے ہیں۔
اس لئے اس دنیا میں ایک ایسے نظامِ زندگی کی ضرورت ہے،
جو زمانے کو اپنے آگے جھکنے پر مجبور کرے، وہ نظام حاکم ہو اور زمانہ

محکوم، وہ زمانے سے متاثر نہ ہوتا ہو، بلکہ اگر زمانہ سرکشی پر اُتر آئے تو نظامِ حیات اپنی اخلاقی اور روحانی قوتوں کے دباؤ سے اُسکے رُخ کو پھیر دے، ایسا ہی نظامِ زندگی انسانوں کے ظلم، فریب مکاری، دغا بازی، حرص و لالچ جیسے امنِ عالم کو تہ و بالا کرنے والے امراض سے نجات دلا سکتا ہے، اور وُہی ان میں ایک صحیح توازن پیدا کر سکتا ہے،

کیا اسلام کے سوا کوئی اور بھی نظامِ زندگی ہو سکتا ہے؟

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ

اسلام نے اپنے نظامِ حیات سے امن و سلامتی کی جو فضا پیدا کی اسمیں یہی روح کام کر رہی تھی کہ انسان کو ہر موقعہ پر نیکی کی ضرورت ہے، اس کے بغیر وہ دنیا اور آخرت میں کامیاب ہو ہی نہیں سکتا۔ قرآن کریم نے بتایا ہے

نیکی اور تقویٰ میں ایک دوسرے کی مدد کرو

یعنی نیکی اور تقویٰ کی مدد میں تم کو یہ نہ دیکھنا چاہئے کہ اس کے لئے تم کس کی مدد کر رہے ہو؟ تمہارا وہ ہم مشرب و ہم مذہب ہے یا نہیں

تمہارے خاندان اور تمہارے کنبے سے اسکا تعلق ہے یا نہیں ؛
اور اسی طرح ہر بدی کو مٹانے کے لئے ضروری ہے کہ تم کسی بد کی
بدی کا ساتھ نہ دو، جیسا کہ اسلام کا حکم ہے۔

ظلم اور گناہ کی بات میں مدد نہ کرو (قرآن)

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ ظالم اور
گناہگار کی مدد نہ کرو، بلکہ یہ فرمایا کہ گناہ اور ظلم کی مدد نہ کرو، یعنی
اسلام کی نظر میں ایک خطاکار اور بدکار قابل نفرت نہیں، کیونکہ
اُس کی اصلاح کرنا ہی اسلام کا مقصد ہے، البتہ اس کے افعال
قابل مذمت ہیں۔

یہی اسلام کی صداقت پسندی امن وسلامتی ہے، اور اسی امن و
سلامتی کی فضا نے مسلمانوں میں وہ روح پیدا کی تھی جس کے
رنگ میں زمانہ سلف کے مسلمانوں کا ایک ایک فرد رنگا ہوا تھا۔
لیکن جب مسلمان اس اصول سے ہٹ کر اپنا مقصد زندگی فراموش
کر کے صرف اپنی ہی زندگی گذارنے لگا، اور اس اصول پر یعنی
اسلام کو چھوڑ کر قومیت، وطنیت، سیاست و معاشرت کے غلیظ

دلدل میں پھنس گیا، اسوقت سے شرف انسانیت دنیا سے محروم ہو گیا۔

کیا آج دنیا کو اس شرف کی ضرورت نہیں؟ اور بالخصوص مسلمانوں کا یہ فرض نہیں کہ وہ پھر اسی اصول زندگی کو اختیار کریں جو اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام نے ان کو بتایا ہے؟

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ موجودہ وقت میں یہ اصول زندگی اختیار کرنا بہت مشکل ہے، وہ اس لئے کہ پوری جماعت اس اصول کو اپنانا۔ ناممکن نہ سہی سخت مشکل ضرور سمجھتی ہے لیکن یہ مشکل محض اس لئے ہے کہ معاشرت کو زندگی کے مقصد پر ہر شخص ترجیح دیئے ہوئے ہے۔

کسی سے اگر یہ کہدیا جائے کہ

بحیثیت مسلمان تم کو اسلام نے مال و اولاد کی محبت سے منع فرمایا ہے۔ بار اہ خدا میں جان قربان کرنا ثواب ہے۔

تو وہ اسلام کے ان احکامات سے انحراف تو شاید نہ کر سکے

لیکن ان پر عمل نہیں کر سکتا۔ پھر اگر کوئی شخص اسلام کے ان احکامات پر عمل کرنے کی سخت کوشش بھی کرے تو اس کیلئے سخت مشکلات کا سامنا ہے، لیکن اگر پوری جماعت کا یہی اصول زندگی بنجائے تو تمام مشکلات حل ہو سکتی ہیں۔

اس طرح آج ہمیں سچ بولنے میں اس لئے دقت محسوس ہو رہی ہے کہ دنیا کی سوسائٹیاں عام طور پر جھوٹ میں گھری ہوئی ہیں آج حلال روزی پیدا کرکے (صرف تنخواہ یا ضرورت زندگی کی معین مقدار کے مطابق) زندگی گذارنا ہمیں اس لئے زحمت کا باعث معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا تمام کاروبار حرام۔ رشوت بے ایمانی پر چل رہا ہے، اب آپ ہی بتائیے کہ حلال کی روزی کیسے میسر ہو۔

غرضیکہ اسلام جس نظام زندگی کو پیش کرتا ہے، وہ محض عیش وعشرت کے لئے طاقت کے بل بوتے پر نہیں چلتا، بلکہ اس کی مشین کا ہر پرزہ روحانی اور اخلاقی سٹیم سے حرکت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی کو زبردستی اپنی اکثریت وجمعیت کے لئے اپنے

اسلام و نظام میں شریک نہیں کرتا، بلکہ اسلام کا نظریہ تو یہ ہے

"دین میں کوئی زبردستی نہیں"

البتہ طاقت، جمعیت، قومیت کو اس موقع پر اسلام استعمال کرتا ہے، جبکہ اس کے قائم کردہ نظام کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی جائے، یا اس کے مقصد کو نقصان پہنچانے کی کوشش کیجائے

لیکن جہاں تک اپنے نظام میں شرکت کا سوال ہے، اسلام اس معاملہ شرکت میں کسی انسان کو بالکل مجبور نہیں کرتا، وہ اس لئے کہ ــــ اسلام تو دل کی دنیا بدل کر ایک نیا سماج پیدا کرنا چاہتا ہے۔ برخلاف اس کے آج دنیا میں جسقدر نظام ہائے زندگی ہیں، وہ سب طاقت کے ہی بل بوتے پر حرکت کر رہے ہیں خواہ کمیونزم ہو یا سوشلزم، فاشزم ہو یا ڈیموکریسی (یعنی نام نہاد جمہوریت) لیکن طاقت کے استعمال کے باوجود سب اپنے مقصد میں ناکام ہیں، سچ تو یہ ہے کہ جو تہذیب اور دستور صرف طاقت پر چلایا جائے، اس کا اس طریقہ سے چلانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ناکام ہے، اور اس میں از خود

چلنے کی ایسی قوت نہیں جیسی کہ نظامِ اسلام میں ہے،

آخر یہ بات کیا ہے، کہ آج جبکہ مادی طاقت اپنے عروج و شباب پہ ہے، ہر قسم کے مہلک اور خوں آشام آلات وجود میں آچکے ہیں، ایٹم بم، ہیڈروجن اور جہنمی بم، تباہ کن گیس، ہلاکت آفرین توپیں، اور نہ معلوم کیسے کیسے اور کتنے ہلاخیز آلات ایجاد ہو چکے ہیں۔

بتایئے ان طاقتوں سے دنیا میں پریشانیوں کے سوا اور کچھ بھی ظاہر ہوا۔ جو اِنسانی زندگی کے مقصد یا شرف انسانیت سے وابستہ ہو؟

آج امن وسلامتی کہاں ہے؟ سکون واطمینان کہاں گیا؟ راحت و آرام کدھر رخصت ہو گئے؟ یا دنیا کی اس ہلاکت آفرین طاقت نے دنیا کی بددیانتی، رشوت ستانی، ظلم وستم، بے ایمانی، فحاشی، قمار بازی، ڈاکہ زنی، قتل وغارت گری وغیرہ بند کر دی؟

اگر ایسا نہیں ہوا، تو پھر اسلام کے ماسوا دنیا کے نظام ہائے زندگی کو کس طرح مکمل سمجھا جائے۔

اسی آسمان کے نیچے اِن موجودہ نظام ہائے حیات کے مقابل اسلامی زندگی کا نظام بھی گذر چکا ہے، مسلمانوں کو اس کا علم ہے، دُنیا بھر کے مؤرخوں نے اس پر غور کیا ہے، تاریخ دنیا کے صفحات اس سے روشن ہیں اور قیامت تک روشن رہیں گے۔

اس نظامِ رحمت میں بندہ و آقا کی تمیز باقی نہ تھی، اس میں مالک و مملوک میں فرق نہ تھا۔ یہی وہ نظام تھا جس میں کوئی فرد بھی ایسا نہ تھا جس کو ذلیل کیا جائے، یا جس کی عزت پر فخر کیا جائے کسی کو اس کی کمزوری پر ستایا جائے، کسی کو حقیر سمجھ کر ٹھکرا دیا جائے کسی کی دولت ایسی نہ تھی جسے لوٹا جائے، کسی کا خون ایسا نہ تھا جو بہایا جائے، بھائی کے گلے پر چھری کون چلاتا، بہن کی عزت پر کون ہاتھ ڈالتا، اپنے مال کو کون لوٹتا اور اپنے گھر کو کون آگ لگاتا؟

یہ تھی اس سماج اس دستور اس نظام کی ادنیٰ برکتیں جنکو وحی والے پیغمبرِ اسلام محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پروان چڑھایا، جس نے انسان کے مردہ جسم میں روحِ حیات پھونکی۔

ابھی نظام ہائے حیات کی بحث طویل ہے، اور میں اس بحث میں آپ کو اُلجھانا نہیں چاہتا۔

مختصر یہ ہے کہ آج اسلامی نظام حیات کے مقابل مغربی تمدن اقوام دنیا میں مقبول ہو رہا ہے، اور اس لئے ہو رہا ہے۔ کہ اس میں دنیاوی عز و جاہ، عیش و عشرت، طاقت و عزت کے تمام مظاہر انسان کی خواہشات نفس کے مطابق ہیں، اور جب سے مسلمانوں کی روحانیت اور زندگی کے مقصد شرف انسانیت پر نفسیات غالب آچکی ہیں، یہی تمدن مسلمانوں نے بھی قبول کر لیا ہے۔

اب خدا کے احکام اسلام کی حقیقت پیغمبر اسلام علیہ السلام کے اسوۂ حسنہ اور آپ کے صحابہ کرام کے طریق متابعت۔ نیز دنیا کے تمام نظام ہائے زندگی سے اسلام کے نظام حیات کے موازنہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے گذشتہ سوا دو سو صفحات کی معروضات کا مختصر نتیجہ بھی سن لیجئے۔ اور اُسے عند اللہ نہ صرف خود یاد رکھئے بلکہ اپنے حلقہ احباب، عزیز و اقارب، اور دیگر اپنے تمام مسلمان بھائیوں کو سنا کر ان کو بھی اس نتیجہ کے یاد رکھنے

کی استدعا کیجئے۔

"مسلمان قوم کا تنزل و انتشار، مذہب سے بیگانگی، روحانی پژمردگی، احکام اسلام سے بے پرواہی، سیاسی و معاشرتی مشکلات، اخلاقیات کے انحطاط کا باعث صرف مال و اولاد کی محبت اور جان کا خوف ہے۔"

اور اگر آپ چاہتے ہیں۔ کہ۔

"آپ کو روحانیت، ذوقِ عبادت، دعاؤں کی مقبولیت، تبلیغ اسلام کی طاقت، اقوامِ دنیا پر فوقیت حاصل ہو اور آپ کی سیاسی و معاشی مشکلات خود بخود حل ہو سکیں تو مال و دولت فرزند و زن کی محبت اپنے دل سے نکال دیں۔"

ایک مسلمان دنیا میں راہب بنکر نہیں بلکہ خوددار دنیا دار بنکر باعزت و با مسرت زندگی بسر کر سکتا ہے، اور خدا اور اسکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور متابعت میں اپنے مال و اولاد، فرزند و زن اور اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتا۔ مرد مومن کی یہی شان ہے۔"

کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

شوق

نگاہِ مردِ مومن سے

بدل جاتی ہیں تقدیریں

عبدالرحمٰن شوق

مکتبہ ادب نواز۔ کشمیری بازار لاہور